سندھ کی تاریخ پر نئی تحقیق: ایک علمی سفر

مصنف: رک سندھی

کراچی، سندھ

2025

New Research on the History of Sindh:
A Scholarly Journey

(Book in Urdu Language)

Writer: Ruk Sindhi

Karachi, Sindhi
2025

فہرست

تاریخ کب سچ بولتی ہے؟

1. سندھ تہذیب کے وارثوں کی 10 ہزار سال پرانی ایجادات
2. دنیا میں سب سے پہلے گنتی کا فن کس نے ایجاد کیا؟
3. موہن جو دڑو کے دریافت کنندہ سے انگریزوں کا انتقام
4. سندھ کی تہذیب میں دریائے سندھ کا کردار
5. سندھ کی تاریخ کو جدید سائنسی انداز سے پیش کرنے والے محقق پروفیسر غلام محمد لاکھو
6. سندھ اور بلوچستان: تاریخی رشتے اور فطری اتحاد
7. سندھو تہذیب: وارثت کی جنگ اور دراوڑی دعوے کی حقیقت
8. ریاست بہاولپور کی بنیاد رکھنے والے داؤدپوتا کون ہیں؟
9. کیا سندھ وادی کی تہذیب دس ہزار سال پرانی ہے؟
10. مخدوم بلاول: وہ عالمِ دین جو ارغونوں کے سامنے نہ جھکا
11. لاکاپور: سندھ تہذیب کی گمشدہ کڑی

12. سندھ وادی تہذیب کا جدید سائنسی تجزیہ پیش کرنے والے مصنف رُک سندھی
13. رُک سندھی کی کتاب ’’سندھو تہذیب کی اوسر‘‘ کا سرسری جائزہ
14. رک سندھی کی کتاب "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ" کا جائزہ
15. کتاب "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ" پر تبصرہ
16. کتاب "قومی آزادی کی تحریکیں" پر تبصرہ
17. رک سندھی کا سندھ کی قدیم تاریخ پر اہم کتاب
18. رُک سندھی کی کتاب "سندھو سبیتا کی اوسر" کا مطالعہ
19. رک سندھی کا قلمی سرمایہ
20. سندھو تہذیب کے بارے میں رُک سندھی کا کام
21. ”سندھوی تہذیب کے قدیم مقامات“ کتاب کا مطالعہ

اداریہ: تاریخ کب سچ بولتی ہے؟

تاریخ محض ماضی کے واقعات کا ریکارڈ نہیں، بلکہ انسانی شعور کی اجتماعی یادداشت ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم نہ صرف اپنے ماضی کو دیکھتے ہیں بلکہ حال کی تشکیل اور مستقبل کی سمت کا تعین بھی کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے: کیا ہر لکھی گئی تاریخ سچ بولتی ہے؟ اور اگر نہیں، تو تاریخ کب سچ بولتی ہے؟

اکثر کہا جاتا ہے کہ "تاریخ سچ بولتی ہے" — گویا وقت کے ساتھ حقائق خود بخود آشکار ہو جاتے ہیں۔ یہ جملہ اپنی جگہ پر ایک گہری بصیرت رکھتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر تاریخی بیانیہ خالص

سچائی کی نمائندگی کرتا ہے۔ درحقیقت، تاریخ اُس وقت سچ بولتی ہے جب:

- اس کے ماخذ درست، متنوع اور قابلِ اعتماد ہوں؛
- تحقیق دیانتداری سے کی جائے؛
- واقعات کو بغیر کسی ذاتی، سیاسی یا فکری تعصب کے بیان کیا جائے۔

اگر ان اصولوں کو نظرانداز کیا جائے، تو تاریخ بھی مسخ ہو سکتی ہے — اور یہ مسخ شدہ تاریخ آنے والی نسلوں کے ذہنوں میں غلط تصورات، جھوٹے ہیرو اور گمراہ کن بیانیے پیدا کر سکتی ہے۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ تاریخ اکثر اُن لوگوں کے نقطۂ نظر سے لکھی جاتی ہے جو طاقت اور اختیار رکھتے ہیں۔ طاقتور طبقے اپنے کردار کو بہتر اور مخالفین کو کمزور یا غلط ثابت کرنے کے لیے تاریخ کو اپنے مفادات کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تاریخ کو صرف ایک بیانیے نہیں، بلکہ ایک سوالیہ نشان کے طور پر دیکھنا چاہیے — جسے تحقیق، تنقید اور تجزیے کی روشنی میں پرکھا جائے۔

سندھ کی تاریخ بھی اسی تناظر میں ایک مثال ہے۔ یہاں کے عظیم صوفی، انقلابی

اور دانشور — جنہوں نے سچائی، مزاحمت اور انسانیت کا پرچم بلند کیا — اکثر مرکزی بیانیوں سے خارج کر دیے گئے۔ ان کی آواز کو دبایا گیا، ان کے افکار کو مسخ کیا گیا، اور ان کی جدوجہد کو فراموشی کے اندھیروں میں دھکیل دیا گیا۔

لہٰذا، اس کتاب کا مقصد صرف تاریخ کو دہرانا نہیں، بلکہ اسے "سچ بولنے" کے قابل بنانا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سندھ کی تاریخ کو اس کی اصل روشنی میں دیکھا جائے — بغیر تعصب، بغیر تحریف، اور بغیر مصلحت۔ یہ تبھی ممکن ہے جب ہم مختلف ذرائع کا تقابل کریں، پرانی روایات کو سوال کی کسوٹی پر پرکھیں، اور ماضی کے واقعات کا تجزیہ کھلے ذہن سے کریں۔

تاریخ اس وقت سچ بولتی ہے —
جب ہم اسے بولنے دیتے ہیں۔

رک سندھی

سندھ تہذیب کے وارثوں کی 10 ہزار سال پرانی ایجادات

رک سندھی

خلاصہ

دنیا کی تعمیر و ترقی میں وادئ سندھ کے عوام کا کردار تاریخی طور پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تہذیب نہ صرف اپنے وقت کی سب سے بڑی جغرافیائی وسعت رکھتی تھی بلکہ اپنی ایجادات اور

دریافتوں کے ذریعے انسانی تمدن کے کئی اہم سنگ میل بھی متعارف کرائے (سندھی، 2023: 12)۔ اس مقالے میں وادئ سندھ کے دور میں ہونے والی بنیادی سائنسی و سماجی ایجادات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس سے عالمی تہذیب میں اس کے حصے کو واضح کیا گیا ہے۔

1. تاریخی پس منظر

وادئ سندھ کی تہذیب تقریباً 10 ہزار سال قبل ایک منظم سماجی و اقتصادی ڈھانچے کی صورت میں وجود میں آئی۔ اس کا جغرافیائی دائرہ پانچ لاکھ مربع میل تک پھیلا ہوا تھا، جو بابل سے چار گنا اور مصر سے دو گنا وسیع تھا (سندھی، 2023: 15)۔ اس میں موجودہ پاکستان، بھارتی پنجاب، مغربی یوپی، ہریانہ، کَچھ، کاٹھیاواڑ، گجرات، مہاراشٹر اور افغانستان کے کچھ حصے شامل تھے۔

2. اہم ایجادات و دریافتیں

2.1 آگ کی دریافت

پچاس ہزار سال قبل یہاں کے باشندوں نے سب سے پہلے آگ دریافت کی، جو انسانی ترقی کی بنیاد بنی (علی، 2018: 44)۔

2.2 کھیتی باڑی اور جانور پالنا

پندرہ ہزار سال قبل یہاں کھیتی باڑی اور جانور پالنے کا آغاز ہوا، جس کے آثار روہڑی، کراچی، حیدرآباد اور منچھر جھیل کے علاقے سے ملتے ہیں (جمال، 2017: 56)۔

2.3 چاک اور پہیہ

ساڑھے چھ ہزار سال قبل چاک پر برتن بنانے کی ایجاد ہوئی، جس نے بعد میں پہیہ کی بنیاد رکھی۔ وادئ سندھ دنیا کی پہلی تہذیب تھی جس نے پہیے کو ٹرانسپورٹ کے لیے استعمال کیا اور بیل گاڑی ایجاد کی (سندھی، 2023: 63)۔

2.4 دھات کی دریافت

تانبے کی دھات تقریباً ساڑھے چھ ہزار سال قبل دریافت ہوئی اور اوزار و زیورات بننے لگے (احمد، 2016: 72)۔

2.5 شہری منصوبہ بندی

ساڑھے سات ہزار سال قبل شہروں کی تعمیر جدید طرز پر کی گئی، جن میں کشادہ سڑکیں، نکاسئ آب کا نظام، غسل خانے، کچن، کنویں اور بازار شامل تھے (حسین، 2020: 101)۔

2.6 کپاس اور کپڑا

موئن جو دڑو سے ملنے والا کپاس کا کپڑا دنیا کی قدیم ترین دریافت ہے، جو ٹانکے کے ساتھ محفوظ ملا (پروین، 2019: 88)۔

2.7 گندم اور چاول

گندم کی کاشت کا آغاز دنیا میں سب سے پہلے سندھ میں ہوا، اور چاول کی کاشت بھی فلپائن سے پہلے یہاں کی جاتی تھی (سندھی، 2023: 112)۔

2.8 کیلنڈر اور فلکیات

2500 ق م میں پتھر کے کیلنڈروں سے موسم اور دریائی طغیانی کا حساب لگایا جاتا تھا۔ چاند کے حساب سے مہینے گنے جاتے تھے (مائولا، 2015: 59)۔

2.9 گنتی اور صفر

وادئ سندھ کے باشندوں نے گنتی کا فن اور صفر (0) ایجاد کیا، اور وزن تولنے کے لیے باٹ استعمال کیے (گریئرسن، 2014: 37)۔

2.10 مہر اور تحریر

ساڑھے سات ہزار سال قبل یہاں ایک منظم تحریری نظام موجود تھا، جس کے شواہد مہروں اور تصویری علامات میں ملتے ہیں (ٹالپر، 2021: 143)۔

نتیجہ

وادئ سندھ کی ایجادات اور سائنسی ترقیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تہذیب اپنے وقت میں نہ صرف جغرافیائی وسعت میں بلکہ فکری و سائنسی لحاظ سے بھی دنیا کی سب سے آگے تھی۔ اس کے کئی علمی ورثے آج بھی جدید دنیا کی بنیادوں میں شامل ہیں۔

حوالہ جات (Bibliography)

- احمد، زاہد (2016)۔ *قدیم دھاتوں کی دریافت اور انسانی ترقی*۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔

- علی، شفیع (2018)۔ *انسانی تہذیب کی ابتدا*۔ کراچی: یونیورسٹی پبلشرز۔
- جمال، یاسر (2017)۔ *برصغیر کی زرعی تاریخ*۔ اسلام آباد: قومی ادارہ برائے ثقافت۔
- حسنین، عارف (2020)۔ *وادئ سندھ کی شہری منصوبہ بندی*۔ لاہور: سنگ میل۔
- سندھی، رک (2023)۔ *سندھ تہذیب: ایجادات اور ورثہ*۔ حیدرآباد: سندھ اکیڈمی۔
- گریئرسن، ایچ (2014)۔ *قدیم گنتی کے نظام*۔ لندن: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس۔
- مائولا، ایرکا (2015)۔ *فلکیات کی قدیم تاریخ*۔ ہیلسنکی: فن لینڈ یونیورسٹی پریس۔
- پروین، انیس۔ (2019)۔ *قدیم کپاس اور دستکاری*۔ کراچی: آرٹس کونسل۔
- ٹالپر، پروین (2021)۔ *وادئ سندھ میں جیومیٹری*۔ کراچی: جیومیٹرک اسٹڈیز سینٹر۔

دنیا میں سب سے پہلے گنتی کا فن کس نے ایجاد کیا؟

رک سندھی

سندھ کی وادی: گنتی کے فن کی جائے پیدائش

دنیا کا اصول ہے کہ ہر چیز کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ ہم سندھی زبان میں اسے "لیکو چوکو" یعنی حساب کتاب کہتے ہیں۔ ایک مشہور کہاوت ہے: "دو بھائی، تیسرا حساب"۔
حساب تب ہی ممکن ہے جب انسان کو اعداد کا علم ہو۔ سوال یہ ہے کہ گنتی کا فن کس نے ایجاد کیا؟

اس کا جواب ہمیں تاریخ کی گہرائیوں میں، وادئ سندھ کی قدیم تہذیب اور برہم گپت جیسے عظیم ریاضی دان کی علمی خدمات میں ملتا ہے۔

سندھ کی تہذیب: گنتی کا قدیم مرکز

دنیا میں گنتی کا فن، یعنی ریاضی کی شروعات، کئی محققین کے مطابق سندھ کی وادی سے ہوئی تھی، جو آج کے پاکستان اور بھارت کے کچھ حصوں پر مشتمل ہے۔

- سندھ کی تہذیب (Indus Valley Civilization)، جو تقریباً 3300 قبل مسیح سے 1300 قبل مسیح تک قائم رہی، دنیا کی قدیم ترین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کے اہم شہر موہن جو دڑو اور ہڑاپا تھے۔
- ان شہروں سے ملنے والے آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کے پاس تولنے، ناپنے اور گننے کے آلات موجود تھے، جن میں وزن کے باٹ، پیمائش کے اوزار، اور جیومیٹری کے نمونے شامل تھے۔
- ڈاکٹر برائن ویلز کی تحقیق کے مطابق، سندھ کی تہذیب میں ایک منظم معاشی نظام موجود تھا، جس میں اناج کی تول، مزدوروں کی اجرت، اور اشیاء کا تبادلہ شامل تھا۔

امریکی محقق مائیکل ہیملٹن مورگن نے 2008ء میں ایک کتاب "گمشدہ تاریخ" (Lost History) لکھی، جسے نیشنل جیوگرافک نے واشنگٹن سے شائع کیا۔ اس کتاب میں مسلم سائنسدانوں کی خدمات اور ایجادات کا ذکر ہے۔ مورگن لکھتے ہیں کہ آج کی سائنسی ترقی کی بنیاد ریاضی ہے، اور ریاضی کے موجودہ اصولوں کے بانی سندھی تھے۔

برہم گپت: ریاضی کو سائنسی بنیاد دینے والا

برہم گپت سندھ کی قدیم وادی کا عظیم ریاضی دان اور ماہر فلکیات تھا۔

- وہ 598ء میں بھیل مالا (راجستھان) میں پیدا ہوا اور 668ء میں وفات پائی۔
- اس نے دو اہم کتابیں لکھیں:
  - "برہما سپتا سدھانتا" (کائنات کی ابتدا) – 628ء
  - "خندا کھادی کا" (کھانے کے قابل ٹکڑا) – 665ء
- اس نے کشش ثقل کو "گروتواکرشنم" کے نام سے بیان کیا۔
- اس نے پہلی بار صفر (0) کا تصور واضح کیا۔

- اس کی کتاب میں الجبرا، جغرافیہ، مثلثیات اور الگوردم شامل ہیں۔
- عرب سائنسدان الخوارزمی نے اس کتاب کا عربی ترجمہ کیا، جسے "السنذ الهند" کہا گیا۔ بعد میں یہ لاطینی اور دیگر زبانوں میں ترجمہ ہوا۔

جیومیٹری کا علم

- امریکی سندھی محقق پروین ٹالپر نے اپنی تحقیق میں بتایا کہ موہن جو دڑو کے لوگ جیومیٹری سے واقف تھے۔
- ایچ ٹی لیمبرک نے بھی اپنے مشاہدات میں بتایا کہ قدیم سندھ کے برتنوں پر جیومیٹری کے نمونے بنے ہوتے تھے۔
- ایم ایچ پنھور کے مطابق 3500 ق.م کے بعد جانوروں کی تصاویر کی جگہ جیومیٹری کے پیچیدہ اور رنگین نمونے لینے لگے۔

سندھ کی تہذیب میں معاشی نظام

- ڈاکٹر برائن ویلز کی تحقیق کے مطابق سندھ کی تہذیب میں ایک منظم معاشی نظام موجود تھا۔

- اناج کی تول، مزدوروں کی اجرت، اشیاء کی قیمت کا تعین، اور تبادلہ کا نظام موجود تھا۔
- موہن جو دڑو سے وزن کرنے والے پتھر، چھوٹے بڑے باٹ، اور پیمائش کے آلات ملے ہیں۔
- پیمائش کے لیے فٹ اور کیوبک فٹ دونوں طریقے استعمال ہوتے تھے۔

نتیجہ: ریاضی کی ابتدا کا اصل مقام

یہ تمام شواہد ثابت کرتے ہیں کہ:

- سندھ کی تہذیب کے لوگ دنیا میں سب سے پہلے گنتی، تول، پیمائش اور حساب کتاب کے فن سے واقف تھے۔
- برہم گپت نے اپنے آبا و اجداد کی ایجادات کو سائنسی بنیاد دے کر ریاضی کو عالمی سطح پر متعارف کروایا۔
- سندھ کی تہذیب میں ریاضی کی بنیاد پر معاشی نظام، تجارت اور علم کا فروغ ہوا۔

تاریخی حوالہ جات

- مائیکل ہیملٹن مورگن کی کتاب *Lost History* میں بھی ذکر ہے کہ ریاضی کی بنیاد سندھ سے رکھی گئی۔
- پروین ٹالپر اور ایم ایچ پنھور جیسے محققین نے موہن جو دڑو کی تحریر اور برتنوں سے جیومیٹری کی معلومات کے ثبوت فراہم کیے۔
- گریئرسن کی *Linguistic Survey of India* میں بھی سندھی لوگوں کے گنتی کے طریقے کو بیان کیا گیا ہے، جہاں "ویہون" اور "کوڑیاں" کا ذکر ملتا ہے۔

موہن جو دڑو کے دریافت کنندے سے انگریزوں کا انتقام

رک سندھی

1918ء میں برصغیر پر قابض برطانوی
حکومت نے ایک مقامی ماہر آثارِ قدیمہ
راکلداس بینرجی کو پنجاب اور سندھ بھیجا
تاکہ وہ یونانی فاتح سکندرِ اعظم کے بنائے
گئے ٹیلوں کی تلاش کرے، جو اُس نے 326
قبل مسیح میں اپنی مہم کے دوران تعمیر
کروائے تھے۔ بینرجی، جو بنگال کے مشہور
مورخ اور قدیم تحریروں کے ماہر تھے، 12
اپریل 1885ء کو مرشد آباد ضلع کے شہر
برہماپور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1911ء
میں کلکتہ یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم اے
کیا اور کلکتہ میوزیم کے آثارِ قدیمہ کے
شعبے میں اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ بعد ازاں
انہیں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا میں
اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بنایا گیا، اور 1917ء
میں ترقی دے کر مغربی سرکل کا
سپرنٹنڈنگ آرکیالوجسٹ مقرر کیا گیا۔

اس وقت سر جان مارشل آرکیالوجیکل
سروے آف انڈیا کے ڈائریکٹر جنرل تھے،
جنہوں نے 1902ء سے 1928ء تک یہ عہدہ
سنبھالا۔ بینرجی ان کے ماتحت کام کرتے
تھے۔ 1918ء میں مارشل نے بینرجی کو
سکندرِ اعظم کے 11 ٹیلوں کی تلاش کی
ذمہ داری دی۔ 1918ء سے 1922ء تک
بینرجی نے جنوبی پنجاب، بیکانیر، بہاولپور
اور سندھ میں کھدائی کی اور 27 بڑے اور

53 چھوٹے ٹیلے دریافت کیے، مگر یہ سب بدھ دور کے آثار نکلے۔

لاڑکانہ ضلع کے شہر ڈوکری کے قریب ایک بدھ اسٹوپا کے پاس کھدائی کے دوران بینرجی کو کچھ ایسے مٹی کے برتن اور پتھر کے اوزار ملے جو بدھ دور سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ انہیں ایک مہر بھی ملی جو ہڑپہ سے ملنے والی مہر سے مشابہت رکھتی تھی۔ اس سے بینرجی نے اندازہ لگایا کہ یہ مقام بھی ہڑپہ کی طرح تقریباً 5000 سال پرانی تہذیب کا حصہ ہو سکتا ہے۔

بینرجی نے اپنی دریافت کی اطلاع شملا میں موجود اپنے افسر سر جان مارشل کو دی، مگر مارشل نے بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بینرجی کی رپورٹس شائع نہ کیں۔ بینرجی نے 1918ء سے 1922ء تک پانچ سیزن کی کھدائی کی اور تفصیلی رپورٹس تیار کیں، مگر کوئی بھی رپورٹ منظرِ عام پر نہ آئی۔ 1924ء میں بھیجی گئی حتمی رپورٹ کو بھی نظر انداز کر دیا گیا اور کوئی رسید بھی نہ دی گئی۔

مصنف مشرا کے مطابق، بینرجی نے بنگالی ادیب سُنتی کمار چیٹرجی کو خط لکھ کر شکایت کی کہ برطانوی حکومت انہیں

موہن جو دڑو پر کچھ شائع کرنے کی اجازت نہیں دے رہی۔ انہوں نے چیٹرجی کو اپنا سارا مواد اور تصاویر بھیجنے کی پیشکش کی تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہو سکے۔

یہ خط ظاہر کرتا ہے کہ برطانوی حکام اس عظیم تہذیب کی دریافت پر کتنے پریشان تھے۔ 1918ء سے 1924ء تک انہوں نے اس دریافت کو دنیا سے چھپائے رکھا۔ 1924ء میں *Illustrated London News* میں موہن جو دڑو کی دریافت پر ایک رپورٹ شائع ہوئی، جس میں سارا کریڈٹ سر جان مارشل نے خود لے لیا۔

بینرجی کو کھدائی کے منصوبے سے الگ کر دیا گیا، انہیں کوئی انعام یا ترقی نہ دی گئی بلکہ تبادلہ کر دیا گیا۔ پھر 1925ء میں ان پر جبل پور کے مندر سے مورتی چوری کرنے کا الزام لگا کر گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے گئے۔ انہیں معطل کر دیا گیا، حالانکہ تین سال بعد الزام جھوٹا ثابت ہوا۔ محکمانہ انکوائری میں بھی کوئی ثبوت نہ ملا، مگر مارشل نے زبردستی استعفیٰ لے لیا اور 1926ء میں بینرجی کو آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا سے الگ کر دیا گیا۔

بینرجی اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور 23 مئی 1930ء کو وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد، 1931ء میں سر جان مارشل نے موہن جو دڑو پر تین جلدوں پر مشتمل کتاب شائع کی، جس میں دریافت کا سارا کریڈٹ خود لے لیا۔ بینرجی کا ذکر صرف دو سطروں میں کیا گیا:

Three other scholars whose names" I cannot pass over in silence, are the late Mr. R. D. Banerji, to whom belongs the credit of having discovered, if not Mohenjo-daro itself, at any rate its high "...antiquity

حقیقت یہ ہے کہ سر جان مارشل کو مئی 1924ء تک موہن جو دڑو کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔ انہوں نے پہلی بار فروری 1925ء میں اس مقام کا دورہ کیا، جب بینرجی کھدائی مکمل کر چکے تھے۔

سندھ کی تہذیب میں دریائے سندھ کا کردار

رک سندھی

اگر سندھو کے بہاؤ کو روکا گیا، تو ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا

جب تک سندھو بہتا رہے گا، تب تک وادی سندھ کی تہذیب زندہ رہے گی
آج میں آپ کے سامنے ایک ایسے موضوع پر گفتگو کرنے جا رہا ہوں جو نہ صرف ہماری تاریخ کا حصہ ہے، بلکہ ہماری شناخت، ہماری تہذیب اور ہماری بقا سے بھی جڑا ہوا ہے۔ یہ موضوع ہے — *دریائے سندھ اور سندھ کی تہذیب میں اس کا کردار۔*

پروفیسر مانک پتھوالا فرماتے ہیں:
"سندھ کو خوشحال اور زرخیز بنانے میں دریائے سندھ کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہ دریا سندھ

کی پیدائش سے پہلے ہی موجود تھا، جیسے بچے کی پیدائش سے پہلے ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے۔"
یہ جملہ صرف شاعرانہ نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہے۔

ارضیاتی ماہرین بتاتے ہیں کہ سندھ کی زمین کروڑوں سال پہلے ٹیتھس سمندر سے ابھری۔ جب سمندر پیچھے ہٹا، تو دریائے سندھ نے اس خطے کو زرخیز میدانوں میں بدل دیا۔ اس کی لائی ہوئی مٹی نے زمین کو ایسا چمکایا کہ یہاں تہذیب کا بیج بویا جا سکا۔

تاریخ گواہ ہے کہ انسانی تہذیب کی شروعات ہمیشہ دریاؤں کے کنارے ہوئی، کیونکہ پانی زندگی ہے، اور جہاں پانی ہے، وہاں زراعت ہے، صنعت ہے، تمدن ہے۔ دریائے سندھ کے کنارے موہن جو دڑو، ہڑاپا، آمری جیسے شہر بسے، جو آج بھی تہذیبِ سندھ کی عظمت کے گواہ ہیں۔

یہی دریا تھا جس نے اس خطے کو "سندھ" کا نام دیا۔ ایرانی تاجروں نے اسے "ہند" کہا، رومیوں نے "انڈ"، اور آج ہم اسے "انڈیا" کے نام سے جانتے ہیں۔
سوچیے! پورے ہندوستان کا نام اسی دریا سے ماخوذ ہے۔

لیکن افسوس، آج یہ دریا خطرے میں ہے۔
اگر اس کے بہاؤ کو روکا گیا، اگر اس پر بند
باندھے گئے، تو نہ صرف ہماری تہذیب،
بلکہ ہمارا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔

دریائے سندھ صرف ایک قدرتی وسیلہ نہیں،
یہ ہماری تاریخ ہے، ہماری ثقافت ہے،
ہماری روح ہے۔
آئیے، ہم سب مل کر اس کی حفاظت کا
عزم کریں۔ کیونکہ جب تک سندھ بہتا رہے
گا، تب تک سندھ کی تہذیب زندہ رہے گی۔

سندھ کی تاریخ کو جدید سائنسی انداز سے پیش کرنے والے محقق پروفیسر غلام محمد لاکھو

رُک سندھی

ایم ایچ پنھور انسٹیٹیوٹ آف سندھ اسٹڈیز کی ٹیم کا بے حد شکریہ، جنہوں نے سندھ کے نہایت معتبر مورخ ڈاکٹر غلام محمد لاکھو کی یاد میں یہ تعزیتی اجلاس منعقد کیا۔ لاکھو صاحب سندھ کے ان چند مورخین

میں سے ایک تھے جنہوں نے اس خطے کی تاریخ کو نسلی تعصب سے بالاتر ہو کر لکھا۔ ان کا تاریخ نویسی کا انداز جدید سائنسی نقطہ نظر پر مبنی تھا۔ وہ واقعات کو سائنسی بنیادوں پر پرکھنے کے قائل تھے اور بغیر ثبوت کوئی بات لکھنے کے خلاف تھے۔

اس سے پہلے جو تاریخ لکھی گئی، وہ یا تو بادشاہوں اور حکمرانوں کی مدح سرائی پر مبنی قصے اور کہانیاں تھیں یا پھر غیر ملکی حکمرانوں کے درباری مورخین کی تحریریں، جن میں ظالم، لٹیرے اور عوام دشمن حکمرانوں کو دین دار، عادل اور انصاف پسند ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کے برعکس، اپنے وطن کے دفاع میں لڑنے والے غریب اور مظلوم لوگوں کو ڈاکو، لٹیرے اور باغی قرار دے کر واجب القتل ٹھہرایا گیا، اور ان کی موت کے بعد ’’جہنم واصل‘‘ جیسے الفاظ استعمال کیے گئے۔

ہمارے ملک میں آج تک تاریخ کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ یہاں تاریخ کو صرف سیاسی تبدیلیوں کا نام دیا جاتا ہے اور اسے بادشاہوں، امیروں اور مذہبی رہنماؤں کے کارناموں، جنگوں اور قصوں تک محدود رکھا گیا ہے، جبکہ تاریخ کا یہ تصور درست

نہیں۔ تاریخ ایک سائنس ہے، جو کسی قوم کی سیاسی، سماجی، معاشی اور ثقافتی زندگی کے مطالعے کا نام ہے۔ سندھ میں تاریخ کو سائنسی انداز میں پیش کرنے والوں میں ایم ایچ پنھور، ڈاکٹر غلام علی الانا اور ڈاکٹر غلام محمد لاکھو سرفہرست ہیں۔

سندھ میں لکھی گئی قدیم تاریخیں، جیسے ’’چچ نامہ‘‘، ’’تحفتہ الکرام‘‘، ’’تاریخ معصومی‘‘ اور ’’تاریخ شاہجہانی‘‘، تاریخ کے اصل تصور پر پوری نہیں اترتیں۔ یہ محض تاریخ لکھنے کے لیے معاون مواد (Source Material) کا درجہ رکھتی ہیں۔

اگرچہ پروفیسر غلام محمد لاکھو نے سندھ کی تاریخ پر کئی کتابیں تحریر کیں، لیکن ان میں دو کتابیں عالمی تحقیقاتی اصولوں پر پورا اترتی ہیں جن میں سندھ کی تاریخ کو جدید سائنسی نقطہ نظر کے مطابق، مکمل جانچ پڑتال اور مستند حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں ہیں: ’’سمن کی سلطنت‘‘ اور ’’کلہوڑا دور حکومت‘‘۔ پہلی کتاب سندھ کی تاریخ لکھوانے کے منصوبے کے تحت سندھ ادبی بورڈ کی اشاعت ہے، اور تمام کتابوں میں صرف پروفیسر لاکھو کی تصنیف کو مستند دستاویز کا درجہ حاصل ہے۔ دوسری کتاب دراصل ان کا پی

ایچ ڈی مقالہ ہے، جسے بعد میں نئے شواہد
کی بنیاد پر اپ ڈیٹ کر کے شائع کیا گیا۔ یہ
دونوں کتابیں عالمی معیار کی تحقیقی
کاوشیں ہیں۔

میری ان سے دوستی اور تعلق کی بنیاد بھی
سندھ کی تاریخ پر تحقیق تھی۔ ہم دونوں
کا تعلق ایک ہی ضلع سے تھا اور ملاقاتیں
دولت پور صفن میں ہوتی تھیں۔ ہم تاریخ
پر طویل بحث مباحثے کرتے تھے اور خیالات
میں یکسانیت کی وجہ سے یہ دوستی آخری
وقت تک قائم رہی۔ لاکھو صاحب تاریخ کے
مطالعے میں بہت سنجیدہ تھے۔ جب بھی
میری کوئی نئی کتاب شائع ہوتی، وہ نہ
صرف خرید کر پڑھتے بلکہ اس پر بات کرنے
کے لیے فون بھی کرتے۔ گزشتہ سال جب
میری سندھ کی وادئ سندھ کی تہذیب پر
تین کتابیں شائع ہوئیں تو انہوں نے حیدرآباد
میں موھن مدہوش کے بک اسٹال سے خرید
کر مجھے فون کیا۔ طویل عرصے کے بعد
رابطہ نہ ہونے پر میرا نمبر بھی انہوں نے
موھن مدہوش سے حاصل کیا۔

پروفیسر لاکھو نہ تو نسل پرست تھے اور نہ
ہی دقیانوسی خیالات کے حامی۔ وہ سندھ
کی تاریخ کو جدید اور غیر جانب دار انداز
میں پیش کرنے کے قائل تھے۔ ان کا ماننا تھا
کہ جدید تاریخ نویسی میں فرضی قصوں کو

رد کر کے سائنسی سوچ اپنانی چاہیے، ہر واقعہ کو مادی اور سائنسی بنیادوں پر پرکھنا چاہیے، ہر دور کے حالات کا تجزیہ دیانت داری سے کرنا چاہیے اور سماجی اتار چڑھاؤ کے اسباب واضح کرنے چاہئیں۔ تاریخ کو قصہ، کہانی یا اخباری خبر بنانے کے بجائے عقلی و سائنسی دلائل کی روشنی میں پیش کرنا ضروری ہے۔

یہی نظریہ ہماری قربت کا سبب تھا۔ وہ رخصت ہو گئے، مگر ان کی تحقیقی محنت آنے والی نسلوں کے لیے ہمیشہ ایک قیمتی سرمایہ بنی رہے گی۔

سندھ اور بلوچستان: تاریخی رشتے اور فطری اتحاد

رُک سندھی

میں ان تمام دوستوں، ساتھیوں، بھائیوں اور بہنوں کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے چینل پر سندھ کی تاریخ سے متعلق ویڈیوز میں گہری دلچسپی لی۔ تاہم، حالیہ دنوں میں کچھ دوستوں نے میری ان ویڈیوز پر ناراضگی اور غصے کا اظہار کیا ہے، خاص طور پر ان ویڈیوز پر جو سندھ اور بلوچستان کے تاریخی تعلقات سے متعلق ہیں۔ آج میں انہی دوستوں سے مخاطب ہوں، تاکہ ان کے خدشات اور اعتراضات کا جواب دے سکوں۔

میری یہ ویڈیوز دراصل میرے تحقیقی کتاب "بلوچستان، سندھیوں کا تاریخی وطن" پر مبنی ہیں، جو سندھ اور بلوچستان کے

مختلف تاریخی ادوار میں تعلقات پر ایک تحقیقی دستاویز ہے۔ اس کتاب کا مقصد کسی بھی زبان بولنے والے گروہ، قوم، قبیلے، برادری یا ذات کو کمتر دکھانا یا ان کی تاریخ کو مسخ کرنا ہرگز نہیں ہے۔ دنیا بھر میں تاریخ، بشریات اور آثارِ قدیمہ کے شعبے اسی لیے قائم کیے جاتے ہیں تاکہ قدیم ادوار کی حقیقتوں کو تلاش کیا جا سکے۔ اگر تحقیق دشمنی ہوتی، تو دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں یہ شعبے بند کر دیے جاتے۔

لہٰذا میری تحقیق کو کسی قوم کے خلاف سازش یا دشمنی سمجھنا درست نہیں۔ اگر کسی بات سے اختلاف ہو تو اسے دلائل کے ساتھ رد کیا جانا چاہیے۔ بلوچ اور سندھی دونوں قومیں اس ملک میں ایک سازش کے تحت دوسرے درجے کے شہری بنا دی گئی ہیں۔ یہ دونوں قومیں ملک کے قیام سے لے کر آج تک ظلم، جبر اور نظراندازی کا شکار رہی ہیں۔ اسی لیے ان کے درمیان اتحاد ایک فطری امر ہے۔

اگر اس کتاب میں بلوچستان کو سندھیوں کا تاریخی وطن قرار دیا گیا ہے، تو اسی طرح سندھ بھی بلوچوں کا تاریخی وطن ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ جینا اور مرنا سیکھا ہے۔

سندھ میں مختلف ادوار میں جو بلوچ برادریاں آباد ہوئی ہیں، وہ آج سندھی قوم کا ناقابلِ جدا حصہ بن چکی ہیں۔ نہ وہ خود کو سندھ سے الگ سمجھتی ہیں، نہ ہی انہیں سندھ سے الگ کیا جا سکتا ہے۔

یہی حال دیگر برادریوں کا بھی ہے—چاہے وہ عرب ممالک سے آئے ہوئے سادات ہوں، افغانستان سے آئے ہوئے پٹھان ہوں، یا پنجاب اور سرائیکی علاقوں سے آنے والے لوگ ہوں—یہ سب آج سندھی قوم کا حصہ بن چکے ہیں۔ کیا کوئی آغا سلیم یا در محمد پٹھان کو سندھی قوم سے الگ تصور کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

جب بھی سندھ پر کوئی مشکل وقت آیا ہے، بلوچ بھائی اس کی حفاظت کے لیے صفِ اول میں کھڑے نظر آئے ہیں۔ اسی طرح جب بھی بلوچستان کو کوئی تکلیف پہنچی ہے، سندھ نے اس کا درد محسوس کیا ہے۔ شہید اکبر بگٹی کی شہادت پر سندھ نے تاریخی سوگ منایا۔ آج بھی سندھ کے لوگ شیر محمد مری (جنرل شیروف) کو اپنا ہیرو مانتے ہیں۔ سندھ کے دیہات، بستیاں اور شہر آج بھی بلوچوں کے لیے پناہ گاہیں ہیں۔

سندھ کے ہیرو کسی ایک نسل یا قبیلے تک محدود نہیں رہے۔ جہاں دودو سومرو، دولہا دریاء خان، ہوشو شیدی، ہیموں کالاٹي، سائیں جی ایم سید، رسول بخش پلیجو اور شہید بشیر خان قریشی سندھ کے ہیرو رہے ہیں، وہیں کامریڈ حیدر بخش جتوئی، غلام محمد لغاری، شہید بختاور لاشارڻ، شہید میرو خان نظاماڻي اور آغا سلیم جیسے شخصیات کی عظمت کے سامنے سندھ کے عوام نے اپنا سر جھکایا ہے۔

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سندھ کے کسی عام شہری، دیہاتی، ماں، بہن، سیاستدان، سماجی رہنما، ادیب، لکھاری یا مورخ کے دل میں اپنے بلوچ بھائیوں اور بہنوں کے لیے کوئی ناراضگی ہو؟ بلوچ اور سندھی تو ایک دوسرے کے ساتھ جینے مرنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے گھروں کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، ہمارے محلے، گاؤں اور بستیاں مشترکہ ہیں، ہم نے ہمیشہ ایک دوسرے کا تحفظ کیا ہے۔

جب دشمن حملہ کرتا ہے، تو وہ ہمیں ایک ہی وجود سمجھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ میری ویڈیوز کا مقصد کسی بھی طرح دو قوموں کے درمیان نفرت پیدا کرنا نہیں، بلکہ ہزاروں سال پرانی اس

خطے کی تاریخ کو تحقیق کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔ ان ویڈیوز میں جو تاریخی حقائق بیان کیے گئے ہیں، وہ پہلے بھی سندھ اور بلوچستان کے مختلف مورخین اپنی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

ان ویڈیوز میں دیے گئے حوالے جات میں نہ صرف سندھ، بلکہ امریکہ، یورپ اور دیگر ممالک کے مورخین، محققین اور آثارِ قدیمہ کے ماہرین شامل ہیں، بلکہ بلوچی اور براہوی بولنے والے مورخین بھی بڑی تعداد میں شامل ہیں۔ ان میں خان آف قلات میر احمد یار خان، مولائی شیدائی براہوی، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر داد محمد خادم براہوی، پروفیسر اختر بلوچ، خان بہادر خداداد خان پشین، پروفیسر انور رومان، صادق علی بلوچ، ڈاکٹر شاہ محمد مری، موسیٰ خان جلال زئی، کامران اعظم سوہدروی اور میرگل خان نصیر شامل ہیں۔

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے میری ویڈیوز پر تنقید کی ہے، انہوں نے شاید وہ ویڈیوز مکمل طور پر سنی ہی نہیں۔ اگر وہ مکمل طور پر سنتے، تو انہیں اس قسم کا ردِعمل دینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ اگر انہیں کسی بات سے اختلاف تھا، تو وہ تحریری طور پر اپنا

مؤقف پیش کر سکتے تھے، جو دنیا میں اختلاف رائے کا بہترین طریقہ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ میں، ایک سندھی ہونے کے ناطے، اپنے بلوچ بھائیوں سے نفرت کروں یا ان کے بارے میں جھوٹ، بدگمانی اور نفرت پھیلاؤں؟ ہرگز نہیں۔ میں تو مظلوم قوموں کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کا حامی ہوں۔ آج جب ان دونوں قوموں کو اتحاد اور مشترکہ جدوجہد کی شدید ضرورت ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان کے درمیان ناراضگیاں پیدا کرنے کی کوشش کروں؟

میں اپنے ناراض دوستوں کو دوبارہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ ان ویڈیوز کو مکمل سنیں، یا میری کتاب جو دنیا کی معروف ویب سائٹس پر دستیاب ہے، اسے ڈاؤن لوڈ کر کے پڑھیں۔ اس سے ان کے شکوک و شبہات اور بلاوجہ کی ناراضگیاں دور ہو سکتی ہیں۔

اگر سندھ بلوچوں کی ماں ہے، تو بلوچستان کی سرزمین بھی سندھیوں کو جان سے زیادہ عزیز ہے—اور ان کا تاریخی وطن ہے۔

سندھو تہذیب: وارثت کی جنگ اور دراوڑی دعوے کی حقیقت

رُک سندھی

تعارف

سندھو تہذیب دنیا کی قدیم ترین شہری تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے، جس کے آثار موہن جو دڑو، ہڑپہ، چنھو دڑو، راکھی گڑھی، لوتل، دھولاویرا، اور کلیبانگان جیسے مقامات پر دریافت ہوئے ہیں یہ

تہذیب نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت کی کئی ریاستوں — پنجاب، گجرات، راجستھان، ہریانہ — میں پھیلی ہوئی تھی۔ مگر حالیہ برسوں میں تمل دانشوروں اور سیاسی شخصیات کی طرف سے ایک منظم علمی دعویٰ سامنے آیا ہے: کہ سندھو تہذیب دراوڑی یعنی تمل تہذیب تھی، اور موجودہ سندھی، پنجابی، گجراتی لوگ اس کے اصل وارث نہیں۔

تمل دعوے کا پس منظر

تمل دانشوروں کا موقف ہے کہ:

- سندھو تہذیب کی تحریر (Indus Script) دراوڑی زبانوں پر مبنی تھی، خاص طور پر تمل۔
- موجودہ سندھ میں رہنے والے لوگ آریا حملہ آوروں کی نسل ہیں، جنہوں نے دراوڑوں کو ان کے وطن سے نکال دیا۔
- سندھو تہذیب دراصل تمل، تیلگو، کنڑ اقوام کی تہذیب تھی۔

تمل ناڈو کے وزیرِ اعلیٰ کا انعام

2025 میں تمل ناڈو کے وزیرِ اعلیٰ نے اعلان کیا کہ جو شخص سندھو تحریر کو سمجھ لے گا، اسے ایک ملین ڈالر انعام دیا جائے گا۔ اس اعلان کا مقصد:

- عالمی محققین کو تمل-سندھو تعلق کی طرف راغب کرنا
- سندھو تہذیب کو تمل تہذیب قرار دلوانا
- تمل ثقافت کو عالمی سطح پر قدیم اور معتبر ثابت کرنا

سندھو تہذیب کے اصل وارث کون؟

جغرافیائی حقائق:

- سندھو تہذیب کے آثار سندھ، پنجاب، گجرات، راجستھان، ہریانہ، مہاراشٹرا، جموں کشمیر میں ملے ہیں۔
- ان خطوں کے موجودہ باشندے — سندھی، پنجابی، راجستھانی، گجراتی — وہی لوگ ہیں جو اس تہذیب کے جغرافیائی خطے میں آج بھی رہتے ہیں۔

علمی ردِعمل:

- بھارت کے کئی ماہرینِ آثارِ قدیمہ، لسانیات، اور تاریخ نے تمل دعوے کو مسترد کیا ہے۔
- پنجاب کے ماہرین اسے "ہڑپہ تہذیب"، گجرات اور راجستھان کے ماہرین اسے "سرسوتی-سندھو تہذیب" کہتے ہیں۔
- کسی بھی غیر-سندھو خطے نے اسے دراوڑی تہذیب قرار نہیں دیا۔

سندھ کے اندر لاعلمی اور غلط فہمی

افسوسناک امر یہ ہے کہ سندھ کے اندر کچھ افراد اس سازش کو نہ سمجھتے ہوئے خوشی سے جشن منا رہے ہیں وہ اسے سندھو تہذیب کے لیے "بریک تھرو" سمجھتے ہیں، حالانکہ:

- تمل دانشور سندھیوں کو آریا حملہ آور قرار دیتے ہیں، نہ کہ سندھو تہذیب کے وارث۔
- وہ سندھیوں کی شناخت کو مٹا کر تمل تہذیب کو اس تہذیب کا اصل وارث ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

- یہ علمی قبضہ کی کوشش ہے، جسے بھارت کے اندر سختی سے رد کیا جا رہا ہے۔

نتیجہ: تہذیبی شناخت کا دفاع

سندھی، پنجابی، راجستھانی، گجراتی — یہی وہ اقوام ہیں جو سندھو تہذیب کے اصل وارث ہیں۔ دراوڑی دعویٰ ایک صدی پرانی علمی سازش ہے، جس کا مقصد تمل ثقافت کو عالمی سطح پر معتبر بنانا ہے۔

ہمیں:

- اپنی تہذیبی شناخت پر فخر کرنا چاہیے
- علمی تحقیق کو فروغ دینا چاہیے
- نوجوان نسل کو اس سازش سے آگاہ کرنا چاہیے
- سندھو تہذیب کے تحفظ کے لیے علمی و ثقافتی تحریک چلانی چاہیے

ریاست بہاولپور کی بنیاد رکھنے والے داؤدپوتا کون ہیں؟

رک سندھی

داؤدپوٹا سندھ کی قدیم و مقامی برادریوں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے ریاست بہاولپور پر بھی حکومت کی۔ یہ اپنے آپ کو عباسی بھی کہتے ہیں۔ موجودہ سندھ کے علاوہ یہ ماضی میں ملتان اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں بھی آباد رہے، کیونکہ صدیوں تک ملتان سندھ کا حصہ رہا۔

بہاولپور میں داؤدپوٹوں کا اثر و رسوخ بہت زیادہ رہا ہے اور ان کی آبادی بھی قابلِ ذکر ہے۔ داؤدپوٹے اور کلہوڑے ایک ہی جدِ امجد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤرخین کے مطابق امیر چنو کے دو بیٹے تھے: محمد داؤد اور محمد مہدی، جنہیں ابراہیم یا کلہوڑو خان بھی کہا جاتا تھا۔ محمد مہدی کی اولاد کلہوڑے کہلائی اور سندھ پر حکومت کی، جبکہ محمد داؤد کی اولاد داؤدپوتا کہلائی۔ داؤدپوٹوں نے کچھ عرصے شکارپور پر بھی حکومت کی۔

یوں کلہوڑے اور داؤدپوٹا قریبی رشتہ رکھتے ہیں۔ کننگھم کے مطابق جب نادر شاہ نے شکارپور پر قبضہ کرکے اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا تو اس نے داؤدپوٹوں کو ترقی دی۔ سکھ تاریخ میں داؤدپوٹوں کو "لنگھا" اور "جویا" بھی کہا گیا ہے، جو دونوں سندھی برادریاں ہیں۔

ایس۔ ایم۔ چنہ اپنی کتاب *انسائیکلوپیڈیا آف انڈین ٹرائبز اینڈ کاسٹس* میں لکھتے ہیں کہ سندھ کے کلہوڑے دو خاندانوں میں تقسیم ہوئے۔ ایک خاندان، داؤد خان کی اولاد، نے بہاولپور کی حکومت قائم کی اور اپنے جد کے نام پر داؤدپوٹا کہلایا۔

کتاب قدیم سندھ: اس کے مشہور شہر اور لوگ میں مرزا قلیچ بیگ نے لکھا ہے کہ داؤدپوٹا عباسی کلہوڑوں کے جد، جام چنو، کے پوتے داؤد کی اولاد ہیں۔ یہ اپنے آپ کو عباسی خلفاء کے ایک جد امیر احمد کی نسل سے بتاتے ہیں، جو مکران سے سندھ آیا اور اس نے اپنے بیٹے سمیت ہندو خاندانوں میں شادیاں کیں اور ہندو راجاؤں کی مدد سے حکمران بنا۔

ایک اور مؤرخ لکھتا ہے کہ محمد بن چنو سات ہندو راجاؤں کی مدد سے سردار بنا۔ اس نے ان ساتوں کی بیٹیوں سے شادیاں

کیں اور "جام" کا لقب حاصل کیا۔ اس کے بارہ بیویوں سے اٹھارہ بیٹے ہوئے۔ انہی میں سے ایک بیٹا "داؤد" تھا جو مائی چولیا کے بطن سے پیدا ہوا، اور یہی داؤد داؤدپوٹوں کا جد امجد ہے۔

سندھی ذاتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد دراصل "کوری" تھا، اور اس کی اولاد نے اپنے آپ کو "کوری" اور "داؤدپوٹا" دونوں کہا۔ مغل بادشاہ اکبر اور اورنگ زیب نے انہیں لکی اور خانپور کی جاگیریں عطا کیں۔ 1667ء میں بہادر خان داؤدپوٹی (کوری) نے شیر خان مہر سے جنگ کی، اس کا شکار گاہ چھین لی اور اس پر شہر بسا کر اس کا نام "شکارپور" رکھا۔

1989ء کے *مہران* رسالے میں نصرپور کے حالات میں لکھا گیا ہے کہ داؤدپوٹا روایتی طور پر "کورکو" کا پیشہ کرتے تھے، اور ان کی شاخوں میں دونگھا، سکھیائی، لیخی، درس اور خلیفہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ نے *بیلا ئی بول* میں داؤدپوٹا کو "شاہوک" سماٹ ذات کی ایک شاخ بتایا ہے، جو قدیم دور میں لسبیلہ سے نقل مکانی کرکے سندھ کے مختلف حصوں میں پھیل گئی۔

یہ بات درست نہیں کہ داؤدپوتے عرب تھے اور سندھ کی فتح کے وقت یہاں آئے تھے۔ حقیقت میں یہ سندھی سماٹ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کلہوڑے اور داؤدپوتے ایک ہی خاندان کے ہیں، جن کا جد امجد جام چنو تھا، جو ایک خالص سندھی نام ہے۔ اور آج بھی سندھ میں یہ برادری موجود ہے۔ اگر یہ عرب ہوتے تو ان کے نام عربی طرز کے ہوتے اور انہوں نے اپنے قریبی ہندو خاندانوں میں شادیاں نہ کی ہوتیں۔

مختصر یہ کہ ریاست بہاولپور ایک سندھی بولنے والی برادری، داؤدپوتوں، نے قائم کی۔ ستلج اور سندھ دریاؤں کے کنارے واقع یہ ریاست تین اضلاع بہاولپور، بہاولنگر اور رحیم یار خان پر مشتمل تھی۔ اس کا قیام 1690ء میں بہادر خان داؤدپوتی نے کیا۔ نواب محمد بہاول خان نے انگریز حکومت سے پہلا معاہدہ کیا، جس کے تحت بہاولپور کو آزاد ریاست کا درجہ ملا۔ یہاں سندھی بولنے والے باشندے بڑی تعداد میں آباد تھے۔

1947ء میں برصغیر کی تقسیم کے بعد ریاست بہاولپور پاکستان میں شامل ہوئی اور 1955ء تک ایک الگ صوبہ رہی۔ 1955ء میں ون یونٹ کے تحت اسے مغربی پاکستان میں ضم کردیا گیا۔ 1970ء میں ون یونٹ کے خاتمے کے بعد اسے صوبے کا

درجہ نہیں ملا بلکہ پنجاب میں شامل کر دیا گیا۔

کیا سندھ وادی کی تہذیب دس ہزار سال پرانی ہے؟

رُک سندھی

بھارت کی ریاست ہریانہ کے ضلع حصار میں واقع سندھ تہذیب کے قدیم مقام "راکھی گڑھی" کی کھدائی سے حاصل شدہ نتائج نے دنیا کی اس عظیم تہذیب کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات سامنے لائے ہیں۔ دکن کالج پونے کے ماہرین نے آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا (ASI) کے تعاون

سے راکھی گڑھی پر کی گئی تحقیق کے دوران جو انسانی باقیات دریافت کیں، ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ سندھ وادی کی تہذیب صرف پانچ ہزار سال نہیں بلکہ آٹھ ہزار سال قدیم ہے۔

راکھی گڑھی کی کھدائی کے تیسرے مرحلے میں یہ شواہد ملے کہ یہ مقام کم از کم آٹھ ہزار سال سے آباد رہا ہے۔ اس نئی تحقیق نے سندھ تہذیب کے بارے میں پہلے سے قائم نظریات کو بدل کر رکھ دیا ہے، اور اس بنیاد پر یہ تہذیب عراق کی میسوپوٹیمیا اور مصر کی تہذیبوں سے بھی کہیں زیادہ قدیم قرار دی جا رہی ہے۔

راکھی گڑھی کا یہ مقام 80 سے 100 ہیکٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے، اور یہ سندھ تہذیب کے شہری تمدن کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام پر پہلی بار 1997ء سے 2000ء تک کھدائی کی گئی، جس کی نگرانی انڈین آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ماہر ڈاکٹر امریندرا ناتھ نے کی۔ اس ابتدائی کھدائی میں یہ ثبوت ملے کہ راکھی گڑھی کا مقام سندھ تہذیب کے شہری تمدن کے عروج یعنی 2500 قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔

بعد ازاں 2006ء سے 2013ء تک دکن کالج پونے کے عالمی شہرت یافتہ ماہر آثار قدیمہ پروفیسر وسنت شندے کی سربراہی میں دوسری کھدائی کی گئی۔ اس دوران حاصل شدہ انسانی باقیات پر DNA ٹیسٹ کیے گئے، جن سے یہ ثابت ہوا کہ یہ مقام چار ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔

گزشتہ دو سالوں سے ASI اور دکن کالج پونے کی ٹیم نے راکھی گڑھی کی تیسری کھدائی شروع کی، جس کی نگرانی ASI کے جوائنٹ ڈائریکٹر سنجے کمار منجل اور دکن کالج کے اسسٹنٹ پروفیسر پربودھ شروالکر کر رہے ہیں۔ پروفیسر شروالکر کے مطابق راکھی گڑھی کا مقام سندھ تہذیب کے تین مختلف ادوار سے تعلق رکھتا ہے: مشرقی ہڑپہ، وسطی ہڑپہ، اور جدید ہڑپہ۔ ان میں سے ابتدائی دو ادوار تقریباً چار ہزار سال پرانے ہیں، جبکہ سب سے نچلے تہہ سے حاصل شدہ شواہد آٹھ ہزار سال پرانی تہذیب کی نشاندہی کرتے ہیں۔

DNA تجزیے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آٹھ ہزار سال قبل یہاں جو لوگ آباد تھے، ان کا جینیاتی تسلسل آج کے باشندوں میں بھی موجود ہے۔ یعنی سندھ وادی کے موجودہ باشندے انہی قدیم لوگوں کی نسل سے ہیں۔

راکھی گڑھی سے اس دور کا ایک بڑا قبرستان بھی دریافت ہوا ہے، جہاں سے انسانی ڈھانچوں کے ساتھ ساتھ جانوروں کی ہڈیوں کا بھی سائنسی تجزیہ کیا گیا، جس سے کئی حیرت انگیز انکشافات سامنے آئے۔

ASI کے ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل اجے یادو کے مطابق کھدائی کے دوران سونا، چاندی، اور تانبے کے زیورات بھی دریافت ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ خوبصورت برتن، ڈنر سیٹ، اور زیر زمین وسیع گھر بھی ملے ہیں جن میں نکاسی آب کا باقاعدہ نظام موجود تھا۔ کچھ مکانات دو سے چھ کمروں پر مشتمل تھے۔ یہاں سے ملنے والے لباس کے نمونے ظاہر کرتے ہیں کہ راکھی گڑھی کے لوگ فیشن کے دلدادہ تھے، اور رنگ برنگے کپڑے، شالیں، اور قمیصیں پہنتے تھے۔

پروفیسر شروالکر کے مطابق راکھی گڑھی سے ملنے والے شواہد بتاتے ہیں کہ اس دور کے لوگ آج کے انسانوں کی طرح ترقی یافتہ تھے۔

نہ صرف راکھی گڑھی بلکہ ماہرین کے مطابق موہن جو دڑو بھی آٹھ ہزار سال قبل سے موجود تھا، اور یہاں شہری تمدن اپنے عروج پر تھا۔ امریکی ماہر آثار قدیمہ

اومائل این مورا، سر مورٹیمر ویلر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ موہن جو دڑو کے موجودہ شہر کے نیچے چھ مزید شہر موجود ہیں، اور صرف اوپری حصے کی بنیاد پر یہ کہنا کہ یہ تہذیب پانچ ہزار سال پرانی ہے، درست نہیں۔

اومائل این مورا کے مطابق موہن جو دڑو کی تہذیب دنیا کی تمام تہذیبوں سے قدیم تر ہے، اور کم از کم دس ہزار سال پرانی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ موہن جو دڑو میں ایک کے اوپر ایک سات شہر دریافت ہوئے ہیں، جو سیلاب اور بارشوں کے بعد تباہ ہوتے رہے اور دوبارہ تعمیر کیے جاتے رہے۔ ان تہوں کے نیچے پانی بھی دریافت ہوا ہے، اور اگر نمکین پانی کی سطح کم کی جائے تو مزید تہیں دریافت ہو سکتی ہیں۔

سر جان مارشل نے 1925ء میں لندن کے ایک اخبار میں لکھا کہ "ہم نے اب تک کھدائی میں ایک کے نیچے نو شہروں کے آثار دریافت کیے ہیں، جن سے بابل سے بھی قدیم تہذیب پر روشنی پڑتی ہے۔ ہم مزید گہرائی میں کھدائی کریں گے، اور امید ہے کہ تین، چار یا پانچ مزید شہر دریافت ہوں گے، جن کی عمر نو سے گیارہ ہزار سال ہو سکتی ہے۔"

درحقیقت سندھ وادی کے تمام مقامات کی مکمل کھدائی ابھی تک نہیں ہو سکی ہے، جس کی وجہ سے ماہرین اس تہذیب کی عمر کا درست اندازہ لگانے میں ناکام رہے ہیں۔ اگر مکمل کھدائی ہو اور جدید سائنسی بنیادوں پر تجزیہ کیا جائے، تو ممکن ہے کہ سندھ تہذیب کی عمر دس ہزار سال سے بھی زیادہ ثابت ہو۔

حوالہ جات

1. Dheeraj Bengrut: “New evidence suggests Harappan civilisation is 7,000 to 8,000 years old”, Hindustan Times, Dec 22, 2023. Hindustan Times
2. “Harappan civilisation is 7000 to 8000 years old”: Scientists studying DNA samples from Rakhigarhi site find.
3. OpIndia.com, 27 December, 2023.
4. “Recent Findings Reveal Harappan Civilization Is 7000-8000 Years Old”, The

Commune, December 27, 2023.
The Commune
5. آڏواڻي، *قديم سنڌ*، صفحہ 88.
6. رُک سنڌي، *سنڌو تہذيب جا قديم ماڳ*، حيدرآباد، 2024ء، صفحہ 19–20.
7. Modern Review, February, 1925.
8. Marshall, Sir J. *Mohen jo Daro and Indus Civilization*, Volume 1, Page VI.

مخدوم بلاول: وہ عالمِ دین جو ارغونوں کے سامنے نہ جھکا

رک سندھی

سولہویں صدی کے اوائل میں سندھ سیاسی اور سماجی ہلچل کا شکار تھا۔ ارغون، شاہ بیگ ارغون کی قیادت میں، اس خطے کے بڑے حصے پر قابض ہو چکے تھے۔ ان کی حکومت غیر ملکی تسلط اور جبر کی علامت سمجھی جاتی تھی، جسے مقامی سندھی آبادی سخت ناپسند کرتی تھی۔ انہی دنوں ایک جری آواز ابھری — مخدوم بلاول — جو ایک نامور مذہبی عالم، روحانی پیشوا اور وطن پرست تھے۔ ان کی سندھ کی آزادی سے گہری وابستگی نے بالآخر ان کی جان لے لی۔

غیر ملکی حکومت کی مخالفت

مخدوم بلاول محض مدرسے کے محدود دائرے میں رہنے والے عالم نہیں تھے۔ دین میں گہری بصیرت رکھنے کے باوجود وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ مذہب کو سیاسی غلبے کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ان کا فلسفہ یہ تھا کہ روحانیت کو دنیاوی اقتدار کی کشمکش سے الگ رکھا جائے۔ اسی کے ساتھ وہ سندھ کی آزادی کے پرجوش حامی تھے اور ہر اس غیر ملکی اثر کے مخالف تھے جو خطے کی ثقافتی اور

سیاسی خودمختاری کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

ان کا اثر مسجد و مدرسے سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اپنی تعلیمات کے ذریعے وہ اپنے مریدوں کو سچائی، خودانحصاری اور عوامی خدمت کی ترغیب دیتے۔ وہ حکمرانوں کی سرپرستی یا مریدوں کی نذرانوں پر انحصار سے انکار کرتے اور محنت مزدوری کے ذریعے رزق کماتے۔ یہ خودکفالت انہیں نہ صرف اخلاقی طور پر مضبوط بناتی بلکہ سیاسی طور پر بھی ناقابلِ تسخیر بناتی۔

ارغونوں سے ٹکر

جب شاہ بیگ ارغون نے سیہون پر قبضہ کیا اور اپنی حکومت مضبوط کرنے لگا تو مخدوم بلاول اس کے سب سے بڑے ناقد بن کر سامنے آئے۔ انہوں نے مقامی لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کیا اور انہیں ہتھیار اٹھانے کی ترغیب دی۔ ان کے پیروکار مشہور سپہ سالار دولہ دریا خان کے بیٹوں سمیت دوسرے سندھی رہنماؤں کے ساتھ ارغونوں کے خلاف لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ اس طرح مزاحمت کو مذہبی اور روحانی پشت پناہی بھی حاصل ہوگئی۔

مخدوم بلاول نے مہدوی تحریک کے پھیلاؤ کی بھی شدید مخالفت کی، جس کی قیادت سید میران محمد شاہ جونپوری کر رہے تھے۔ وہ اس تحریک کو سیاسی طور پر نقصان دہ سمجھتے اور اسے غیر ملکی اثر و رسوخ کا ذریعہ مانتے تھے۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ اس تحریک کو روکا جائے، حتیٰ کہ مہدوی لیڈر کے بیڑے پر حملہ کر کے انہیں دریائے سندھ میں پسپا کیا، جس کے بعد وہ افغانستان واپس چلا گیا۔

سازش کا جال

شاہ بیگ ارغون کو جلد اندازہ ہو گیا کہ مخدوم بلاول کا اثر اس کی حکومت کے لیے خطرہ ہے۔ ان کی اخلاقی ساکھ اور عوام کو منظم کرنے کی صلاحیت اس بات کی متقاضی تھی کہ انہیں طاقت کے بجائے سازش کے ذریعے ختم کیا جائے۔

ارغونوں نے ایک چال چلی۔ ایک موچی کو حکم دیا گیا کہ جوتے تیار کرے جن میں قرآنِ پاک کے اوراق چھپے ہوں۔ یہ جوتے تحفے کے طور پر مخدوم بلاول کو پیش کیے گئے تاکہ وہ انہیں پہنیں اور الزام لگایا جا سکے کہ انہوں نے مقدس کلام کی بے حرمتی کی ہے۔ حالانکہ انہوں نے یہ جوتے کبھی نہیں پہنے، لیکن جھوٹے گواہ تیار کر لیے گئے۔

اس جھوٹے الزام پر قابو یافتہ علما سے فتویٰ لیا گیا کہ مخدوم بلاول کو موت کی سزا دی جائے۔ یہ الزام عوامی جذبات بھڑکانے اور ان کی پھانسی کو جائز دکھانے کے لیے کافی تھا۔

گہاَنے میں شہادت

جب انہیں عدالت میں لایا گیا تو صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا، مگر مخدوم بلاول نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ مقدمہ محض ایک ڈھونگ ہے، کوئی دفاع نہ کیا۔ انہیں ایک نہایت ظالمانہ سزا سنائی گئی: لوہے کے گہاَنے (تیل نکالنے کے پریس) میں پاؤں سے اوپر تک کچل کر قتل کرنا۔

روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میرا سر آخر میں پیسا جائے تاکہ میں آخری سانس تک اپنے وطن کو دیکھتا رہوں۔ یکم محرم 929 ہجری (1522ء) کو مخدوم بلاول شہید کر دیے گئے۔ ان کے مریدوں نے خون اور جسم کے اجزاء کو جمع کر کے دفن کیا، اور یہ مزار مزاحمت اور قربانی کی علامت بن گیا۔

وراثت

مخدوم بلاول کی شہادت نے انہیں سندھ کی تاریخ میں امر کر دیا۔ وہ صرف ایک

مذہبی پیشوا نہیں بلکہ ایک ایسے رہنما کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں جنہوں نے روحانی دیانت کو سیاسی جرات کے ساتھ جوڑ دیا۔ حکمرانوں پر انحصار سے انکار، اصولوں پر ثابت قدمی اور ظلم کے سامنے ڈٹ جانا—یہ سب انہیں ایک ایسا نمونہ بناتے ہیں جو آج تک یاد کیا جاتا ہے۔

ان کی زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ایمان اور وطن کی محبت جب یکجا ہوں تو انسان کو ناقابلِ شکست بنا دیتے ہیں۔ ان کی موت یہ یاد دلاتی ہے کہ جابر طاقتیں سچائی کی آواز کو دبانے کے لیے کس حد تک جا سکتی ہیں۔ آج بھی مخدوم بلاول سندھ کے ان ہیروز میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے غلامی سے بہتر شہادت کو چنا اور ہمیشہ کے لیے تاریخ کے اوراق پر امر ہو گئے۔

لاکاپور: سندھ تہذیب کا ایک قدیم اور اہم مقام

رُک سندھی

بھارتی ریاست گجرات کے علاقے کَچھ میں واقع لَکھپت کے قریب سندھ تہذیب کا ایک قدیم مقام دریافت ہوا ہے، جسے قریبی گاؤں لاکاپور کے نام پر "لاکاپور" کہا جاتا ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین کے مطابق یہ آبادی تقریباً 5300 سال قدیم ہے۔ تاریخی

شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کَچھ کا علاقہ قدیم دور سے سندھ کا حصہ رہا ہے، اور تقریباً دس ہزار سال قبل تک یہ سندھ تہذیب کی سرحدوں میں شامل تھا۔ بعد ازاں بھی، کَچھ، بھُج، کاٹھیاواڑ اور گجرات کے کئی علاقے قدیم سندھ وطن کا جزو رہے ہیں۔

تہذیبی ہم عصر مقامات

لاکاپور کا قدیم شہر اُس وقت بھی آباد تھا جب سندھ وادی کے مشہور مقامات جیسے موئن جو دڑو، کوٹ ڈیجی، آمری، چانہو دڑو اور ہڑاپا کے ساتھ ساتھ کَچھ، کاٹھیاواڑ اور گجرات میں ڈھولاویرا، دیسالپور، رانگپور اور لوتھل جیسے شہر بھی آباد تھے۔ لاکاپور کی آبادی شہری تمدن یعنی Mature Indus Civilization سے پہلے کی دیہی ثقافت یعنی Early Indus Civilization سے تعلق رکھتی ہے، جس کی وجہ سے اسے آمری اور کوٹ ڈیجی کا ہم عصر قرار دیا جا سکتا ہے۔

آبی وسائل اور معیشت

یہ آبادی ایک خشک ندی کے کنارے آباد کی گئی تھی، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ اس ندی کا پانی نہ صرف پینے کے لیے

استعمال ہوتا تھا بلکہ فصلوں کی آبیاری کے لیے بھی کام آتا تھا۔ لاکاپور کا مقام تقریباً تین ہیکٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ 2022 میں کیرالا یونیورسٹی کے ماہرین آثارِ قدیمہ، ابھین جی ایس اور راجیش ایس وی نے پہلی بار اس مقام کو سندھ تہذیب سے منسلک کیا۔ بعد ازاں 2024 میں اس مقام کی کھدائی میں بھارتی اور بین الاقوامی ماہرین کی مشترکہ ٹیم نے حصہ لیا۔

تعمیرات اور نوادرات

لاکاپور سے پتھروں اور پکی اینٹوں سے بنے ہوئے مکانات دریافت ہوئے ہیں، جو نہایت سلیقے سے تعمیر کیے گئے تھے۔ یہاں سے پتھر، پکی مٹی اور دھات سے بنی کئی اشیاء ملی ہیں، جن میں خاص طور پر پتھر کے اوزار قابلِ ذکر ہیں۔ یہ پتھر کوٹ ڈیجی کی پہاڑیوں سے حاصل کیے جاتے تھے، جنہیں یا تو یہاں لا کر اوزار بنائے جاتے تھے یا تیار شدہ اوزار خرید کر لائے جاتے تھے۔

ثقافتی اور تجارتی روابط

اس مقام کے قریب ایک قبرستان بھی دریافت ہوا ہے۔ یہاں سے گھریلو استعمال کے برتن، عقیق، قیمتی پتھروں کے موتی، سیپ کے خول، چوڑیاں، تانبے کی اشیاء، اناج

پیسنے کے پتھر، پتھر کے ہتھوڑے اور دیگر نوادرات بھی ملے ہیں۔ یہ تمام اشیاء سندھ تہذیب کے دیگر مقامات سے بھی پہلے دریافت ہو چکی ہیں، جو لاکاپور کو اس تہذیب کے ساتھ جوڑتی ہیں۔

ماہرین کے مطابق یہاں سے ملنے والے پتھر کے بلیڈ موجودہ سندھ کے مقامات سے منگوائے جاتے تھے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لاکاپور کے باشندوں کا سندھ تہذیب کے دیگر شہروں سے تجارتی رابطہ تھا۔

حیاتیاتی شواہد

لاکاپور کے گھروں اور گلیوں سے بھیڑ، بکریوں اور مچھلیوں کی ہڈیاں ملی ہیں، جو کھانے کے بعد پھینکی گئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگ مچھلی کا شکار کرتے اور اسے خوراک کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ بھیڑ بکریوں کا دودھ اور گوشت بھی ان کی خوراک کا حصہ تھا۔ ان کی معیشت کا دارومدار چراگاہوں اور آبی وسائل پر تھا۔

مستقبل کی تحقیق

اگر اس مقام کی مکمل کھدائی اور سائنسی تحقیق کی جائے تو سندھ تہذیب پر

مزید روشنی پڑ سکتی ہے اور اس عظیم
تہذیب کے کئی راز افشا ہو سکتے ہیں

سندھ وادی تہذیب کا جدید سائنسی تجزیہ پیش کرنے والے مصنف رُک سندھی

پروفیسر ڈاکٹر اظہر علی شاہ

5 اگست 1961ء کو سانگھڑ ضلع کی تحصیل کنڈیاری کے گاؤں حامد اجن میں پیدا ہونے والے غلام اصغر منگی نے سندھ یونیورسٹی سے بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے صحافت اور ادب کی دنیا میں "اصغر آزاد" اور "رک سندھی" کے نام سے ایک نئی شناخت حاصل کی۔ عوامی آواز، سندھ سجاگ، جاگو، سچ، سوپ، تعمیر سندھ اور دیگر اخبارات و رسائل میں ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر کے طور پر کام کرتے ہوئے سینکڑوں کالم اور مضامین تحریر کیے اور کئی اہم کتابیں تصنیف کیں۔

ان کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب "سندھ وادی تہذیب کی اوسر" ایک تاریخی، تحقیقی اور علمی و ادبی کاوش ہے، جو سندھ ماں کے شاندار ماضی کا سائنسی تجزیہ کرتے ہوئے نئی حقیقتوں کو بیان کرتی ہے اور مزید تحقیق کے لیے نئے زاویے واضح کرتی ہے۔

سندھ کے نام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے رک سندھی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ دس ہزار سال قبل یہاں کے باشندوں کی زبان میں دریا کو "سندھو" کہا جاتا تھا، اور اسی دریا کے نام پر اس خطے کا نام "سندھ" پڑا۔

بعد ازاں ایران کے تاجروں نے اس کو "ہند" اور روم کے تاجروں نے "انڈ" کہا، یوں "ہندوستان" اور "انڈیا" کے نام بھی سندھ سے ماخوذ ہیں۔

سندھ وادی تہذیب میں موجودہ پاکستان، بھارتی پنجاب، مشرقی یو پی، ہریانہ، گجرات، کَچھ، کاٹھیاواڑ، مہاراشٹر اور افغانستان کا کچھ حصہ شامل تھا، جس کا مرکز موئن جو دڑو اور موجودہ سندھ کا مرکزی صوبہ رہا ہے۔ دنب سادات، ہڑپہ، کالی بنگن اور لوٹھل جیسے شہر دیگر صوبوں کے مرکزی شہر تھے۔

زمین کی تاریخ اور تخلیق کو سائنسی حوالوں سے بیان کرتے ہوئے رک سندھی بتاتے ہیں کہ "نیبولا" یعنی جلتی ہوئی گیس کے ٹھنڈا ہونے سے سورج جیسے بڑے ٹکڑوں یعنی تاروں کی پیدائش ہوئی، جو کششِ ثقل کی وجہ سے گردش کرتے رہے، اور اسی طرح سورج سے زمین اور دیگر سیاروں کی پیدائش ہوئی۔ زمین ابتدا میں نہ ٹھنڈی تھی اور نہ گول، مگر مسلسل گردش کے باعث ٹھنڈی اور گول ہو گئی۔

زمین کا ایک اور سیارے "تھیا" (Theia) سے تصادم ہوا، جس کے نتیجے میں ایک ٹکڑا الگ ہو کر زمین کا چاند بن گیا۔ زمین کے

ٹھنڈا ہونے سے پیدا ہونے والی گیس اور ہوا بخارات کی شکل میں بدل گئی، اور خلا کی ٹھنڈک کے باعث یہ بخارات پانی میں تبدیل ہو کر بارش بننے لگے، جس سے زمین کے نشیبی حصوں میں سمندر وجود میں آئے۔ جم جانے والی گیس اور دیگر تبدیلیوں سے پتھر اور دھات وجود میں آئے اور یوں پہاڑوں کی تخلیق ہوئی۔

زمین کی ارتقا کو "عصور" (Eras)، "ادوار" (Periods) اور "زمانوں" (Epochs) میں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ ابتدا میں زمین پر ایک ہی براِعظم تھا، جو وقت کے ساتھ ٹوٹ کر مختلف براعظموں میں بٹ گیا۔ ارتقائی تاریخ کے مطابق سندھ سمیت پورا پاکستان کسی زمانے میں سمندر کی تہہ میں تھا، اور بعد ازاں "گونڈوانا" (Gondwana) عظیم براعظم کا حصہ بنا، جس میں آسٹریلیا، افریقہ، عرب، ہند، سندھ اور جنوبی امریکہ شامل تھے، جبکہ یورپ اور شمالی امریکہ "لاریشیا" (Laurasia) نامی دوسرے براعظم میں شامل تھے۔

برفانی ادوار کے آنے سے براعظموں میں تبدیلیاں آئیں اور قراقرم پہاڑوں کی پیدائش کے بعد برصغیر الگ ہو گیا۔ کیرتھر سے دادو اور بلوچستان کا پہاڑی سلسلہ اور

کارونجھر کا پہاڑ ہمالیہ سے بھی پہلے وجود میں آیا۔ ننگرپارکر کی پہاڑیاں ساڑھے 3 ارب سال پہلے جبکہ رنی کوٹ کا پہاڑی سلسلہ تقریباً 6 کروڑ سال قبل وجود میں آیا۔ ڈھائی لاکھ سال قبل سمندر پیچھے ہٹ کر کراچی کے ساحل پر آ گیا اور دریائے سندھ کا بہاؤ شروع ہوا۔

انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے رک سندھی لکھتے ہیں کہ ڈیڑھ کروڑ سال قبل "راما پیتھیکس" (Ramapithecus) یعنی انسان کی حیوانی نسل سے علیحدگی کے بعد، ابتدائی وجود سے لے کر 70 لاکھ سال قبل "سیوا پیتھیکس" (Sivapithecus) یعنی انسان کی کچھ بہتر شکل سامنے آئی۔ اس کے بعد منچھر پہاڑی سلسلے کا وجود، 5 لاکھ سال قبل لوٹي ندی اور ننگرپارکر میں انسانی آبادی، آگ اور اوزاروں کی ایجاد، 50 ہزار سال قبل روہڑی کی پہاڑیوں میں انسانی آبادی، 15 ہزار سال قبل کراچی، حیدرآباد اور منچھر جھیل کے علاقوں میں انسانی سکونت اور زمین کی کاشت کے ساتھ 8 ہزار سال قبل دیہی زرعی ثقافتوں کی تشکیل اور کچی اینٹوں کے مکانوں کی تعمیر شروع ہوئی۔

4200 ق م میں "کڑی گل محمد" میں پکے مکانوں کی تعمیر شروع ہوئی، 4000 ق م

میں مٹی کے برتن بنانے کی صنعت کی بنیاد پڑی اور دھات بھی دریافت ہوئی، 3500 ق م سے بڑے شہروں کی تعمیر شروع ہوئی اور 1500 ق م تک عروج پر پہنچ کر سندھ وادی تہذیب زوال پذیر ہونے لگی، جس کے اسباب پر مختلف مفروضے بیان کیے گئے ہیں۔

مذکورہ نکات کے علاوہ، ابتدائی زبان اور سندھ وادی کی رسم الخط سمیت مذہبی، معاشی، ثقافتی اور کئی دیگر پہلوؤں پر بھی تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔ ان تمام تجزیات کا دنیا کی دیگر قدیم تہذیبوں خصوصاً شام کے قدیم شہر "حلب" (Aleppo)، فلسطین کے قدیم شہر "اریحا" (Jericho)، ایران کے قدیم شہر "شوش" (Susa) اور مصر سمیت دیگر قدیم شہروں کے ساتھ سائنسی تقابل کیا جانا چاہیے۔

(یہ مقالہ سندھ یونیورسٹی نوشہروفیروز کیمپس کے پرو وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر اظہر علی شاہ نے رک سندھی کی کتاب “سندھ وادی تہذیب کی اوسر” کی مہورت تقریب، یکم ستمبر 2024ء، قاسم آباد، حیدرآباد میں پڑھا)

رُک سندھی کی کتاب ''سندھو تہذیب کی اوسر'' کا سرسری جائزہ

طارق امام جونیجو

زمین کے وجود میں آنے، انسانی ارتقاء یا نشوونما پر تحقیق کرنا، لکھنا، اس کی گم

شدہ کڑیاں تلاش کر کے جوڑنا، انہیں ترتیب دے کر انسانی تہذیب کی اصل روح کو نمایاں کرنا یا تہذیب کو اس کے حقیقی جوہر میں پیش کرنا ایک نہایت مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ اور اگر ذکر ہو ’’سندھو تہذیب کی اوسر‘‘ کا، تو یہ ان چند کاموں میں سے ہے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تقریباً ناممکن ہیں۔ تاہم کہاوت ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں، دوسرے الفاظ میں لغت میں ’’ناممکن‘‘ نام کا کوئی لفظ نہیں۔ اس بات کو آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ "ابھی کہاں ہیں کُل جہاں میں کپڑے"۔

ہر قوم میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی انتھک محنت سے ناممکن کو ممکن بنا دیتے ہیں یا اپنے مقصد کے حصول میں ہار نہیں مانتے۔ ایسے ہی باعمل افراد میں سے ایک ہمارے بھائی رُک سندھی ہیں، جنہوں نے آج تک ہار نہیں مانی اور سندھو تہذیب کی ان کڑیوں کو تلاش کرنے کی کوشش جاری رکھی ہے۔ جن کے بارے میں ابھی تک کوئی واضح نشان نہیں ملا۔

مصنف کا مختصر تعارف

مصنف کا اصل نام غلام اصغر ولد غلام جعفر منگی ہے۔ آپ 5 اگست 1961ء کو

گاؤں حامد اچڑ، تعلقہ کنڈیاری، ضلع نوشہرو فیروز میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے ہی گاؤں سے حاصل کرنے کے بعد سندھ یونیورسٹی جام شورو سے گریجویشن کیا۔

لکھنے کا آغاز آپ نے 20 سال کی عمر میں روزنامہ *ہلالِ پاکستان* سے کیا۔ 1990ء میں روزگار کے سلسلے میں کراچی منتقل ہوئے اور 1999ء تک مختلف اداروں میں ملازمت کی۔ اسی دوران 1990ء سے صحافت میں ’’اصغر آزاد‘‘ کے قلمی نام سے نیا سفر شروع کیا اور روزنامہ *عوامی آواز*، *سندھ سجاگ*، *جاگو*، *سچ*، *سوڀ* اور *تعمیر سندھ* جیسے اخبارات میں مختلف عہدوں پر خدمات انجام دیں۔ آپ نے متعدد سندھی اخبارات و رسائل میں سینکڑوں مضامین اور کالم تحریر کیے اور کئی صحافتی تنظیموں میں بھی سرگرم رہے۔

رُک سندھی نے سندھ کے حقوق کے لیے مختلف قوم پرست اور ترقی پسند تنظیموں میں فعال کردار ادا کیا۔ گذشتہ 20-25 سال سے ادب، سیاست اور صحافت سے وابستہ ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

1. سندھو تہذیب کی اوسر (تحقیق)

2. سندھو تہذیب کے محققین (تحقیق)
3. سندھو تہذیب، آریا اور دراوڑ مفروضے (تحقیق)
4. قومیں اور قومی تحریکِ آزادی
5. ٹوڑی پھاٹک کا سانحہ
6. سندھی قوم کا مقدمہ
7. سندھ کی سیاسی صورتحال
8. تاریخ کی لو
9. قاضی فیض محمد
10. سندھ کی قومی تحریک میں سندھیوں کا اتحاد
11. آج کی سندھ
12. میری یادیں
13. اجڑے دیس کی کہانی
14. خوش بخت دھرتی، دکھ بھری عوام
15. پاکستان طوفان کے گھیرے میں (ترجمہ)
16. سندھی زبان رت رتولی (ترتیب)
17. بابائے سندھ کامریڈ حیدر بخش جتوئی (ترتیب)

کتاب کے موضوع کی اہمیت

کتاب *"سندھو تہذیب کی اوسر"* کی تعارفی تقریب سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انسانی ارتقاء کس طرح ہوا، ’’تاریخ سے قبل کا دور‘‘ کس کو کہا جاتا ہے اور

سندھو تہذیب کس زمانے میں وجود میں آئی؟

زمین کے وجود میں آنے، برفانی ادوار سے گزرنے اور نباتات و حیوانات کے ادوار کے بعد انسانی دور تقریباً 300,000 سال قبل (ہومو سیپینس کے ظہور سے) لے کر 5,000 قبل مسیح تک محیط ہے۔ جب انسان نے تصویروں یا نشانات کے ذریعے اپنی زبان یا آواز کو تحریر میں ڈھالنا شروع کیا، تو انسانی تاریخ کو عموماً تین بڑے ادوار میں تقسیم کیا گیا:

1. قدیم پتھر کا دور (300,000 - 10,000 سال قبل) شکار کے لیے قدیم پتھروں کے اوزار کا استعمال شروع ہوا۔
2. درمیانی پتھر کا دور (10,000 - 5,000 سال قبل) پتھر کے مزید نفیس اوزار تیار ہوئے اور ابتدائی زراعت کے آثار نظر آنے لگے۔
3. جدید پتھر کا دور (5,000 - 2,000 سال قبل) بڑے پیمانے پر زراعت، جانوروں کی افزائش اور پیچیدہ معاشروں کی تشکیل۔

جدید پتھر کا دور انسانی تاریخ میں ایک انقلابی وقت تھا، جب خانہ بدوش اور شکاری طرزِ زندگی سے زراعت کی بدولت مستقل اور پیچیدہ معاشرے وجود میں آئے۔

یہ تفصیل اس لیے دی گئی ہے تاکہ سمجھا جا سکے کہ رُک سندھی کی یہ کتاب سندھو تہذیب کے حوالے سے کتنی اہمیت رکھتی ہے اور کس طرح انہوں نے ’’پری ہسٹری‘‘ کے دور سے متعلق سندھ کی الجھی ہوئی داستان کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کا خلاصہ

کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔

- پہلا باب: زمین کی تشکیل، برصغیر کے وجود میں آنے، برفانی دور، افریقہ و ایشیا کی علیحدگی، کیرتھر پہاڑوں کی تشکیل، دریائے سندھ کے بہاؤ اور سندھ وادی کی ارضیاتی جغرافیہ پر مشتمل ہے۔ ایک چارٹ کے ذریعے عام قاری کے لیے آسان تفہیم بھی شامل ہے۔
- دوسرا باب: تہذیبی و سیاسی جغرافیہ پر ہے، جس میں سندھ، ہند اور ’’اند‘‘ جیسے ناموں پر بحث، دریائے سندھ اور اس سے جڑی ندیاں،

موسمی و آبی تبدیلیاں اور 1500 ق م میں آنے والے 850 سالہ خشک سالی کا ذکر شامل ہے، جو زوال کا سبب بنی۔

- تیسرا باب: سندھ وادی کی اولین انسانی آبادیوں پر شواہد اور پتھر کے تینوں ادوار کی سماجی زندگی کا جائزہ۔
- چوتھا باب: زرعی و دیہی ثقافت، 8000 سال قبل جدید اوزاروں کا استعمال، 4000 ق م میں تانبے کا استعمال اور سمندری تجارت کی ترقی۔
- پانچواں تا ساتواں باب: شہری ریاست کی بنیاد، معیشت، جمہوری طرزِ سیاست، امن پسند معاشرہ، فنون، کھیل، بلدیاتی منصوبہ بندی، زراعت، ہنر، سائنس، جیومیٹری اور سمندری سفر۔
- آٹھواں تا دسمیں باب: سندھو تہذیب کے وارثوں کی زبان، رسم الخط، مذہب، نظریات اور بین الاقوامی تعلقات۔ مذہبی رواداری، عورت کا اعلیٰ مقام اور بعد میں سماجی تبدیلیاں۔
- آخری باب: نسلی جائزہ، آریاؤں کے حملے کے مفروضے کی تردید اور

سندھو تہذیب کے زوال کے بارے میں روایتی نظریات پر تنقید

نتیجہ

کتاب پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ محترم رُک سندھی نے بے حد محنت سے ماضی کی مختلف تحقیقات کو یکجا کر کے سندھو تہذیب پر ایک جامع اور سلیس مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ بلاشبہ ایک بڑا علمی کارنامہ ہے، جس پر وہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔

(یہ مقالہ 7 ستمبر 2024ء کو علی بابا لبِ مہران، کوٹری میں کتاب کی تقریبِ رونمائی کے موقع پر پڑھا گیا)

رک سندھی کی کتاب "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ" کا جائزہ

قاضی مقصود احمد

تاریخ ایک ایسا علم ہے جس میں بیانیے پیش کرتے وقت اپنے مفادات سے متعلق نظریات کو شامل کرنا بعض علما کے ایک گروہ کا مزاج رہا ہے۔ اسی لیے سندھیوں کو چاہیے کہ بیرونی محققین اور مورخین کی لکھی ہوئی تاریخ اور تحقیق، اور مقامی کتابوں میں دیے گئے ان کے حوالے جات کو پوری ذمہ داری اور کھلے ذہن سے پڑھیں۔

رک سندھی کی کتاب "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ" اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جس میں اس نظریے کی نوآبادیاتی اصل کو بے نقاب کیا گیا ہے، جو یورپ نے سندھ اور ہندوستان کے علاقوں پر قبضے اور مقامی بالا طبقے کے ساتھ شراکتی حکومت قائم کرنے کے لیے گھڑا تھا، اور جو ہمیں طویل عرصے سے نصاب میں پڑھایا جا رہا ہے۔

مصنف نے اس نظریے کے خالق کے طور پر جرمن مصنف میکس مولر کا نام لیا ہے، جس نے 1850ء میں یہ نظریہ پیش کیا اور زبانوں کے ایک بڑے گروہ کو "آریائی زبانیں" قرار دیا۔ پھر ایک منصوبے کے تحت یورپ سے آریاؤں کے ایران اور سندھ یعنی وادئ سندھ تک پہنچنے کا پرچار کیا گیا۔ اس

ہجرت کو پہلے آریائی حملے کہا گیا، اور پھر جب ان حملوں کے ثبوت نہ ملے تو اسے پُرامن ہجرت قرار دے دیا گیا۔

مقامی سطح پر، ایک طرف شمالی ہندوستان کے لوگوں کو آریا کہہ کر انہیں مراعات یافتہ طبقے کے طور پر قابو میں رکھا گیا، اور دوسری طرف جنوبی ہندوستان کے لوگوں کو وادئ سندھ کا اصل باشندے قرار دے کر ان کی عزت بڑھائی گئی تاکہ وہ اطاعت گزار رہیں۔ اس پورے عمل میں زبان کے الفاظ کو بطور ثبوت استعمال کیا گیا اور زبانوں کی درجہ بندی کی گئی۔ اس کوشش سے اصل قوموں اور زبانوں کو ان کے مرکز سے محروم کر دیا گیا، جس کا سب سے بڑا نقصان سندھ اور سندھی زبان کو پہنچا۔

رک سندھی نے اپنی کتاب میں ان تمام باتوں کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ ایک سازش تھی اور آریائی نسل پرستی کا نظریہ دراصل ایک منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔ 10 اپریل 1866ء کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے دفتر میں برصغیر پر قبضے کے لیے آریائی نسل کا نظریہ تشکیل دیا گیا۔

مزید یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ آریاؤں کے اصل وطن کے بارے میں ماہرین میں اختلاف ہے۔ ایک باب میں بتایا گیا ہے کہ سندھ کی قدیم تہذیب دریافت ہونے کے بعد یہ نظریہ خود اپنے خالقوں کے لیے مسئلہ بن گیا، کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ اصل تہذیب یورپ یا یونان کی نہیں، بلکہ وادئ سندھ کے لوگ پہلے سے ترقی یافتہ اور مہذب تھے۔

مصنف یہ بھی بتاتا ہے کہ "آریا" کوئی نسل نہیں بلکہ سنسکرت کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب ہے "معزز" (Noble)۔ اس کے ثبوت کے طور پر 450ء کی ایک قدیم لغت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ سندھ اور سندھیوں کی عظمت بیان کرنے کے لیے ویدوں کے حوالہ جات بھی دیے گئے ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یورپ کے کئی ماہرین نے آریائی نظریہ کو مسترد کر دیا ہے۔

دراوڑی مفروضے کے حوالے سے رک سندھی بتاتا ہے کہ دراوڑی زبانیں بولنے والے بھارت کے جنوبی علاقوں میں رہتے ہیں جن میں تمل ناڈو، کیرالہ، کرناٹک، آندھرا پردیش اور تلنگانہ شامل ہیں۔ بھارت کی آبادی کا تقریباً 20 فیصد ان زبانوں کو بولتا ہے۔ اس گروہ میں تمل، ملیالم، تیلگو، کنڑ اور تولو سمیت 70 زبانیں شامل ہیں۔

مصنف کے مطابق جان مارشل نے موئن جو دڑو کی کھدائی کے دوران وہاں کی زبان کو دراوڑی زبان اور تہذیب کو دراوڑی تہذیب قرار دیا۔ وہ سوال کرتا ہے کہ جب کھدائی ابھی ابتدائی مرحلے میں تھی اور وہاں سے ملی تحریر پڑھی نہیں جا سکی تھی تو جان مارشل نے یہ اندازہ کس بنیاد پر لگایا؟

تحقیق سے یہ بھی واضح ہوا کہ دراوڑوں کو نسلی گروہ کے طور پر انیسویں صدی میں نوآبادیاتی دور میں پیش کیا گیا، ورنہ قدیم بھارتی تحریروں میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ مصنف نے بروہی قوم کے دراوڑ ہونے کے نظریے کو بھی رد کیا ہے۔

رک سندھی ماہرین کے اس خیال کو بھی مسترد کرتا ہے کہ سندھو تہذیب اچانک ختم ہو گئی، بلکہ وہ اس کے تسلسل اور دور درازِ علاقوں تک اس کے پھیلاؤ کا ذکر کرتا ہے۔ وہ "سندھو-سرسوتی تہذیب" کے متبادل نظریے کو بھی رد کرتا ہے جو اصل سندھو تہذیب کو پس منظر میں ڈالنے کے لیے پیش کیا گیا۔

یہ کتاب سندھی زبان میں سندھو تہذیب کا مقدمہ پیش کرتی ہے جسے علاقائی مفادات کی خاطر ختم کرنے کی کئی کوششیں کی گئی ہیں۔ سندھی عوام کو

چاہیے کہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں اور سندھو تہذیب، سندھی زبان، سندھی تحریر، اور آریا و دراوڑ جیسے الفاظ کی اصل اور ارتقائی بنیادوں کو سمجھ کر سندھ کی تاریخ اور تہذیب کو مسخ کرنے کی کوششوں کو ناکام بنائیں۔

رک سندھی کی اس علمی جدوجہد کو سراہتے ہوئے، 20 اپریل 2024ء کو مٹیاری میں ان کی کتاب "*سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ*" کی "سندھو تہذیب جاگرتا سَتھ سندھ" کی جانب سے رسمِ رونمائی کی گئی اور انہیں "سندھو تہذیب ایوارڈ" سے بھی نوازا گیا۔

(یہ مضمون روزنامہ ہلال پاکستان، حق سچ اور سندھ اخبار میں 20 اپریل 2024ء کو شائع ہوا)

کتاب "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ" پر تبصرہ

پروفیسر مدد علی جھتیال

رک سندھی کی کتاب *سندھو تہذیب (آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ)* پر لکھنا میرے لیے اعزاز کی بات ہے، کیونکہ میں خود کو اتنا بڑا محقق نہیں سمجھتا کہ رک سندھی کی لکھی ہوئی اس تاریخی کتاب پر اپنی رائے پیش کرسکوں۔ بہرحال، قلم کو رواں رکھتے ہوئے کچھ لکھنے کی جسارت کی ہے۔

سب سے پہلے رک سندھی کا مختصر تعارف پیش کرتا چلوں۔ رک سندھی 5 اگست 1961ء کو تعلقہ کنڈیارو، ضلع نوشہرو

فیروز کے گاؤں حامد اجن میں پیدا ہوئے۔ اصل نام غلام اصغر اور ذات منگی ہے۔ سندھ یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد قومی تحریک میں سرگرم رہے۔ اس کے بعد صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا، جو تین دہائیوں پر محیط ہے۔ انہوں نے روزنامہ *سندھ سجاگ* کے ایڈیٹر، روزنامہ *جاگو کراچی* کے ایڈیٹر و پبلشر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ روزنامہ *عوامی آواز* کراچی، *سچ* کراچی، *سوپ* کراچی، *تعمیر سندھ* کراچی، اور *سندھ* حیدرآباد میں نیوز ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام کیا۔ وہ مختلف صحافتی تنظیموں کے رکن رہے اور سندھ کے حقوق کے لیے مختلف قوم پرست و ترقی پسند تنظیموں میں سرگرم کردار ادا کرتے رہے۔ گزشتہ 30 برسوں سے ادب، سیاست اور صحافت سے وابستہ ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سینکڑوں مضامین اور مقالے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے۔

ان کی شائع شدہ کتابوں میں شامل ہیں:

- سندھو تہذیب کی اوسر (تحقیقی)
- قومیں اور قومی تحریک آزادی (سیاسی صورتحال)

- ٹوڑی پھاٹک کا سانحہ (تاریخی و سیاسی صورتحال)
- سندھی قوم کا مقدمہ (تاریخی و سیاسی صورتحال)
- سندھ کی سیاسی صورتحال (تاریخی و سیاسی)
- تاریخ کی لٹ (ادب)
- قاضی فیض محمد (سوانح)
- سندھ کی قومی تحریک میں سندھیوں کا اتحاد (مقالات و مضامین)
- آج کی سندھ (مقالات و مضامین)
- میری یادیں (سوانح)
- دُکھی دیس کی کہانی (مقالات و مضامین)
- سُکھ دھرتی، دُکھی لوگ (مقالات و مضامین)
- پاکستان طوفان کے گھیرے میں (بینظیر بھٹو کی کتاب کا سندھی ترجمہ)
- سندھی زبان رت رتولی

- بابائے سندھ کامریڈ حیدر بخش جتوئی

ان کے بعد رک سندھی کی تازہ تصنیف *سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں والا مفروضہ* ہے، جس کی شاندار مہورتی تقریب 12 اپریل 2024ء کو ذوالفقار حالیپوٹو کی آشیانی مینزا، لطیف آباد، حیدرآباد میں منعقد ہوئی۔ اس تقریب میں سندھ کے محققین، ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی، جس میں صدرِ تقریب نوجوان نثر نگار جاوید سوز حالائی اور مہمانِ خاص معروف شاعر و براڈکاسٹر نصیر مرزا تھے۔

محققین کا اس بات پر اتفاق تھا کہ کتاب سندھ کی تاریخ سے متعلق پھیلائی گئی جھوٹی سازشوں کو بے نقاب کرتی ہے اور اپنی تاریخ خود لکھنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ انگریزوں اور بعض دیگر محققین نے سندھ کی تاریخ کو کس طرح نقصان پہنچایا۔ کتاب کا اہم پیغام یہ ہے کہ ہمیں "دراوڑ" ہونے پر نہیں بلکہ "سندھی" ہونے پر فخر ہونا چاہیے، اور یہ موقف مضبوط دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

جاوید سوز نے کہا کہ یہ کتاب موئن جو دڑو کی تاریخ کا ایک اہم دستاویز ہے، جب کہ نصیر مرزا نے کہا کہ یہ تحقیق پڑھنے والوں

کے لیے دلچسپ اور بصیرت افروز ثابت ہوگی۔ تقریب میں شریک دیگر ادیبوں میں سلیم چنی، منصور قادر جونیجو، واحد کانڈڑو، گل شیر کوریجو، محبوب سندھی، نثار گھاہی، پروفیسر مدد علی جھتیال، مولابخش محبتی، ستار سروہی، تراب علی تراب، فدا کلرائی، جمشید رند اور نثار گھاہی شامل تھے، جنہوں نے کتاب پر مختصر مگر جامع گفتگو کرتے ہوئے خوب سراہا۔

کتاب کے اہم ابواب میں شامل ہیں:

- سندھو وادی پر آریائی حملے کا نظریہ
- زبانوں میں مشابہت
- آریائی حملے اور ہجرت کا مفروضہ: ایک سازش
- آریاؤں کے اصل وطن پر ماہرین میں اختلاف
- غلاموں کے لیے انگریزی تعلیمی نظام
- یورپ کی اپنی ہی تھیوری میں الجھاؤ
- آریائی حملے اور رگ وید
- ویدوں میں دریائے سندھ کی تعریف

- آریائی و غیر آریائی کشمکش کے اسباب
- آریائی تھیوری کی ماہرین کے ذریعے تردید
- سندھو تہذیب کو دراوڑی قرار دینے کا مفروضہ
- براہوی زبان اور دراوڑی تہذیب کا مفروضہ
- ایران اور آریائی نسلی مفروضہ
- برصغیر میں گھوڑے کی موجودگی اور آریائی تھیوری
- جینیاتی بنیادوں پر آریائی حملے کی تردید
- تہذیب کا تسلسل
- سندھو وادی سے بیرون ملک ہجرت
- نتائج اور سندھو تہذیب کی شناخت سے چھیڑ چھاڑ

کتاب کے مقدمے میں رک سندھی لکھتے ہیں کہ جدید سائنسی دور میں کسی بھی ملک، قوم، خطے یا زبان بولنے والے کے بارے میں

کوئی جھوٹ، مبالغہ یا غیر حقیقی دعویٰ اس وقت تک قبول نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس کے پختہ سائنسی ثبوت موجود نہ ہوں۔ لہٰذا قدیم تہذیب، ثقافت، مقامات، موسم یا دریائی بہاؤ کے بارے میں کوئی جھوٹی بات پائیدار نہیں ہوسکتی۔

آخر میں پروفیسر مدد علی جھتیال لکھتے ہیں کہ رک سندھی نے اس کتاب کو نہایت باریک بینی اور سلیقے سے مرتب کیا ہے، جو تاریخ کی کئی کتابوں کا نچوڑ پیش کرتی ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد قاری کو اپنی معلومات پر نظرثانی کرنی پڑتی ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کی تحقیق یا مطالعہ ابھی ادھورا ہے۔ خود مصنف نے تقریب میں کہا کہ تحقیق کبھی مکمل نہیں ہوتی، اور ممکن ہے آئندہ کوئی دوسرا محقق اس پر مزید تحقیق پیش کرے۔ میں رک سندھی کی محنت کو سلام پیش کرتا ہوں کہ وہ اس عمر میں بھی علمی و تحقیقی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں اور مستقبل میں بھی نئے موضوعات پر تحقیق لاسکتے ہیں۔

کتاب "قومی آزادی کی تحریکیں" پر تبصرہ
پروفیسر مدد علی جھتیال

رک سندھی کی 18ویں کتاب "قومی آزادی کی تحریکیں" پر لکھنا میرے لیے ایک بڑے اعزاز کی بات ہے۔
سب سے پہلے میں مختصراً رک سندھی کا تعارف پیش کرتا چلوں کہ رک سندھی 5 اگست 1961ء کو تعلقہ کنڈیارو، ضلع نوشہرو فیروز کے گاؤں حامد اجن میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام غلام اصغر ہے اور وہ ذات کے منگی ہیں۔ انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد قومی تحریک میں فعال رکن کے طور پر حصہ لیا، اس کے بعد صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ان کا صحافتی سفر تین دہائیوں پر مشتمل ہے۔

وہ روزنامہ سندھ سجاگ کے ایڈیٹر، روزنامہ جاگو کراچی کے ایڈیٹر و پبلشر رہ چکے ہیں، جب کہ روزنامہ عوامی آواز کراچی، سچ کراچی، سوپ کراچی، تعمیر سندھ کراچی اور سندھ حیدرآباد میں بطور نیوز ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر خدمات انجام دیتے رہے۔ وہ مختلف صحافتی تنظیموں کا حصہ بھی رہے ہیں۔ رک سندھی سندھ کے حقوق کے لیے مختلف قوم پرست اور ترقی

پسند تنظیموں میں بھی فعال کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔

گزشتہ 30 سال سے وہ ادب، سیاست اور صحافت سے وابستہ ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی سینکڑوں تحریریں اور مضامین مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے شائع شدہ نمایاں کتب کے نام درج ذیل ہیں:

1. سندھ تہذیب کی ارتقاء (تحقیق)
2. سندھ تہذیب کے محققین (تحقیق)
3. سندھ تہذیب، آریاؤں اور دراوڑوں کا مفروضہ (تحقیق)۔
4. قومیں اور قومی تحریک آزادی (سیاسی صورتحال)
5. ٹوڑی پھاٹک کا سانحہ (تاریخ و سیاسی صورتحال)
6. سندھی قوم کا مقدمہ (تاریخ و سیاسی صورتحال)
7. سندھ کی سیاسی صورتحال (تاریخ و سیاسی صورتحال)
8. تاریخ کی لو (ادب)۔

9. قاضی فیض محمد (سوانح)

10. سندھ کی قومی تحریک میں سندھیوں کا اتحاد (مقالات و مضامین)

11. آج کی سندھ (مقالات و مضامین)

12. میری یادیں (سوانح)

13. دکھی دیس کی کہانی (مقالات و مضامین)

14. خوشحال دھرتی، دکھی لوگ (مقالات و مضامین)

15. پاکستان طوفان کے گھیرے میں (بینظیر بھٹو کی کتاب کا سندھی ترجمہ)

16. سندھی زبان رت رتولی

17. بابائے سندھ کامریڈ حیدر بخش جتوئی

اپنی اس کتاب میں رک سندھی نے قومی تحریکوں کی ابتدا کو عالمی تناظر میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اصل تحریکوں کا آغاز مزدور تحریکوں سے ہوا، جن سے بعد میں دنیا کی دیگر تمام تحریکیں جنم لیتی ہیں۔ کتاب میں درج ابواب میں شامل ہیں:

- خاندان سے قومیت تک کا سفر
- قومی وجود کی ارتقاء
- قوم کے غلط تصورات
- قوم پرستی اور سامراج
- قومی آزادی کی تحریکیں
- تحریکوں کا انقلابی کردار
- قومی سوال اور مارکسزم
- قومی تعلقات کی ترقی میں دو رجحانات
- آزاد قوموں کی محنت کش بین الاقوامیت
- قوموں کے ایک ہونے کا عمل

مصنف نے ان موضوعات کو نہایت عمدگی اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، جیسے دریا کو کوزے میں بند کر کے پیش کر دیا ہو، تاکہ قاری مختصر وقت میں اپنا مطلوبہ فہم حاصل کر سکے۔

تاہم میری رائے میں کتاب میں ایک کمی یہ محسوس ہوئی کہ اس میں ماضی کی

تحریکوں کا خلاصہ تو موجود ہے لیکن موجودہ حالات میں قومی تحریکوں کی صورتحال پر بھی روشنی ڈالنی چاہیے تھی، خاص طور پر سندھ کی موجودہ قومی تحریکوں کے حال اور مستقبل کا ذکر ضروری تھا۔ آج کے نوجوان کو اس حوالے سے مکمل آگاہی دینا وقت کی ضرورت ہے، کیونکہ اگر یہ سلسلہ برقرار نہ رکھا گیا تو باقی ماندہ تحریکیں ختم ہو سکتی ہیں۔

کتاب کی مہورتی تقریب 31 مارچ 2024ء کو منعقد ہوئی، جس کا اہتمام بزم روح رواں حیدرآباد نے کیا۔ یہ پروگرام قاسم آباد، حیدرآباد میں بزم روح رواں کے جنرل سیکریٹری واحد کانڈڑو نے منعقد کیا۔ تقریب میں ضلع سانگھڑ، ضلع مٹیاری، ضلع جامشورو اور ضلع حیدرآباد کے ممتاز ادیبوں، شاعروں، محققین اور قومی فنکاروں سمیت بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور رک سندھی اور ان کی کتاب پر اظہارِ خیال کیا۔

امید ہے کہ قومی تحریکوں پر مزید کتابیں لکھی جاتی رہیں گی۔

(شائع شدہ: 3 اپریل 2024ء، روزنامہ سوپ کراچی)۔

رک سندھی کا سندھ کی قدیم تاریخ پر اہم کتاب

مانک ملاح

سندھی زبان کے ممتاز ادیب اور محقق رک سندھی کی سندھ کی قدیم تاریخ پر اہم کتاب *"سندھو تہذیب کی اوسر"* شائع ہو کر مارکیٹ میں آ گئی ہے۔ رک صاحب اگرچہ کنڈیارو کے ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوئے، لیکن اپنی زندگی کا بڑا حصہ سکرنڈ میں گزارا۔ سکرنڈ ان کا دوسرا گھر تھا، جہاں وہ "اصغر آزاد منگی" کے نام سے ہم جیسے نوآموز طلبہ کو اپنی علمی دانش کے

اسباق دیا کرتے تھے۔ یوں انہوں نے سکرنڈ
میں بہت سے ایسے شاگرد تیار کیے جو آج
بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔

رک صاحب نے 1989 کے لگ بھگ سکرنڈ
سے *"سندھو دھارا"* کے نام سے ماہوار
رسالہ جاری کیا۔ وہ مشہور سندھی
اخبارات *روزانی سندھ سجاگ، روزانی سچ*
اور *روزانی جاگو کراچی* کے مدیر بھی رہ
چکے ہیں۔ رک صاحب سندھ کی تاریخ،
ادب اور سیاست کے حوالے سے کئی کتابیں
سندھی زبان کے دامن میں دے چکے ہیں،
جن میں سے بیس سے زائد کتابیں شائع ہو
کر پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔

جب سکرنڈ کے اہلِ علم اور باصلاحیت
شخصیات — سائیں تاج جویو، سائیں لطیف
پیرزادو، سائیں عبد الرحمان عبد منگیو،
سائیں خا کی جویو، سائیں عبدالحکیم ارشد،
ڈاکٹر حاجی خان کیریو، سائیں میر محمد
پیرزادو اور سائیں میر حسن لاکو — نے مل
کر *سندھی ادبی سنگت سکرنڈ* کی بنیاد
رکھی، تو اس بیباک ادیب سائیں گل محمد
چنا نے 1972 میں نوابشاہ میں اس کا آغاز
کیا۔ آج جب یہ ادبی سنگت اپنی خوشبو
سندھ اور ہند میں بکھیر رہی ہے، تو اس
کے بانی ارکان میں رک سندھی کا نام بھی
شامل ہے۔

سندھی ادبی سنگت سکرنڈ رک سندھی صاحب کی اس نئی کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے جلد ہی اس کا اجرا سکرنڈ میں کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ کتاب بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح سندھ کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے۔

اس کتاب میں رک صاحب نے تحقیق کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ قدیم (پروٹو) سندھی زبان ہی سندھو تہذیب کے وارثوں کی زبان تھی۔ سندھی زبان کی جڑیں موئن جو دڑو کی تہذیب میں پیوست ہیں۔ پروٹو سندھی زبان کی خصوصیات کا بھارت کی دیگر زبانوں میں پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان زبانوں کی اصل بنیاد پروٹو سندھی تھی۔ بابل اور میسوپوٹیمیا میں سندھی زبان کے آثار ملنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سندھو ماہر کے مہذب باشندے تجارت کے ذریعے وہاں پہنچے اور اپنی زبان کو ان خطوں میں پھیلایا۔ اسی لیے بابل اور میسوپوٹیمیا کے قدیم آثار میں ملنے والی لسانی باقیات کا موئن جو دڑو کی زبان سے مشابہ ہونا اس کا ثبوت ہے۔

ماہرین نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بڑی دراوڑی زبانیں جیسے تامل، تیلگو اور کنڑ، اصل میں پروٹو سندھی زبان کے اثر میں

رہی ہیں، جب کہ سنسکرت کے مقابلے میں سندھی زبان کہیں زیادہ قدیم ہے۔

رک صاحب اس کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب *"سندھو ماہر کی تہذیب"* میں سندھ کی زمین کی پیدائش سے لے کر موئن جو دڑو کی تہذیب یعنی سندھو تہذیب کے زوال کے نظریے تک کے دور کا احاطہ کیا ہے۔ جیالوجی ماہرین کے مطابق سندھ کی زمین کا وجود آج سے تقریباً 100 کروڑ سال پہلے ٹی تھیس سمندر سے خشکی اور پہاڑی سلسلوں کے ابھرنے سے وجود میں آیا۔ اس کتاب میں سندھ کی زمین کے وجود کے بارے میں تفصیل سے لکھا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں اس خطے کی پیدائش، انسانی ارتقا اور تہذیبی ارتقا کا واضح نقشہ ابھر سکے۔

(ماخذ: مانک ملاح کا فیس بک پروفائل، 13 اگست 2024)

رُک سندھی کی کتاب "سندھو سبیتا کی اوسر" کا مطالعہ

مصنف: خیر محمد عاشق سولنگی

سندھ وہ ملک ہے جس کی تہذیب بابل، سمیر، مصر، یونان اور پھر روم تک پہنچی۔ وادئ سندھ کی تہذیب کے تمام ادوار کے مراحل سندھ اور سندھیوں میں موجود ہیں۔ سندھی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے قدیم تر ہے۔ آریاؤں اور دراوڑوں کی جنگ کے مفروضے اب رد ہو چکے ہیں۔ آریا کا مطلب ہاری (کاشتکار) ہے۔ ہاریوں کو ہی آریا یعنی زراعت جاننے والے اور مہذب کہا گیا۔ سندھ کو تمام تہذیبوں کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ سندھی لوگ دنیا کے مختلف خطوں میں کشتیوں پر سوار ہو کر آبی راستوں کے ذریعے اور جانوروں کے ذریعے خشکی کے راستوں سے جا کر آباد ہوتے رہے۔

رُک صاحب اپنی کتاب "سندھو سبیتا کی اوسر" میں مزید لکھتے ہیں کہ 1500 قبل مسیح تک وادئ سندھ کی تہذیب عروج پر تھی۔ جہاں کہیں بھی سندھیوں کو سکون ملا اور انسانی ضروریات کی چیزیں میسر آئیں، وہ وہاں آباد ہوتے رہے۔ نئی چیزیں

جو بھی نظر آئیں، ان پر نام رکھے گئے اور ان کے استعمال کے بارے میں نئے الفاظ سندھی زبان میں شامل ہوتے گئے۔ ہزاروں برس گزرنے کے بعد یقیناً زبان کی شکل و صورت اور لہجہ بھی بدلتا رہا۔ صحت مند ماحول، جانوروں اور زراعت کی سہولت کے ساتھ ساتھ جہاں کہیں تجارت کی سہولت ملی، وہاں ہزاروں سال پہلے سندھی سندھ سے سفر کر کے جا کر آباد ہوئے۔ وادئ سندھ کی تہذیب صرف سندھ سے ہی پھوٹی۔ اس کے وارث دراوڑ نسل نہیں بلکہ سندھی تھے۔

آسٹریلیا اور ایشیا میں دس کروڑ سے زیادہ سماٹ یا جاموٹ نسل کے خالص سندھی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ جبکہ بلوچ، سرائیکی، پنجابی، مارواڑی، ڈھاٹکی، کچھی، گجراتی، بنگالی، تامل، ملائیشیائی، کاٹھیاواڑی اور خراسانی نسل کے لوگ سماٹ کی شاخیں اور ذیلی نسلیں ہیں۔

تاریخ کے ابتدائی ادوار میں دنیا کے نقشے پر صرف سندھ ہی پہچانا جاتا تھا۔ ان ادوار میں افغان، پشتون اور بلوچ یعنی افغانستان اور بلوچستان نامی علاقے یا ممالک دنیا کے نقشے پر موجود نہیں تھے۔ سندھ کی سرحدیں روس، سمرقند، بخارا، آذربائیجان

اور ایران سے ملتی تھیں۔ پورے ایشیا میں سب سے بڑا ملک سندھ موجود تھا۔

"ہند" نام کا کوئی مذہب دنیا میں نہیں رہا اور "ہندو قوم" نام کی کوئی قوم دنیا میں موجود نہیں رہی۔ رُک سندھی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہندو لفظ، سندھی زبان کے لفظ "سندھو" سے نکلا ہے، جسے بعد میں ایرانی تاجروں نے "سندھ" سے بدل کر "ہند" کر دیا۔ اسی طرح مارواڑی میں کہا جاتا ہے: "ہوں ہانگڑ جائی پِیو" یعنی "میں سانگھڑ جا رہا ہوں"۔ اس جملے میں بھی "ہ" کو "س" کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ کچھ زبانوں خاص طور پر یورپی زبانوں میں "سندھو" کو "اندو"، "انڈو"، "انڈیا" یا "انڈس ویلی" کہا گیا ہے۔ وادئ سندھ کو انڈس یا انڈیا کہا گیا۔ راجا بھرَت کمار کی وجہ سے کچھ علاقوں کو "بھارت" بھی کہا گیا۔ انگریزوں اور مغلوں نے یہاں سندھ اور ہند اور پھر متحدہ ہندوستان کے محاورے رائج کیے اور انگریز سامراج کی منشا کے مطابق ہندو اکثریت اور مسلم اکثریت کو ہندو اور مسلم قوم کہا گیا۔ جبکہ "ہندو" تو اندو اور سندھو سے نکلا ہے اور مسلم قوم کا دنیا میں کوئی نسلی وجود نہیں، بلکہ مختلف قوموں کے لوگ دِینِ اسلام اختیار کرنے کے سبب "مسلم اُمت" کہلاتے ہیں۔

سندھ میں ابتدائی دور سے اشتراکی نظام رہا۔ زراعت کی ترقی کی وجہ سے آریا یعنی مہذب کاشتکار مالدار بن گئے اور اناج کے ذخیرے رکھنے کے سبب شاہکار اور بالا طبقے کا حصہ بن گئے۔ بعد میں سندھ میں طبقاتی جنگیں شروع ہوئیں۔

رُک سندھی کی اس کتاب سے یہ ثبوت ملتے ہیں کہ زندگی گزارنے کے تمام راستے سندھ نے ایجاد کیے ہیں۔ مثلاً: زراعت، صنعت، طب کا علم، کمہار، لوہار، سنار، صراف، درزی، موچی وغیرہ کی شکل میں ہنر مندی، چمڑے کے استعمال کا علم، موسیقی اور فلکیات کا علم، تجارت اور جہاز رانی، مویشی پالنا، سنگ تراشی، مصوری، تصویریں بنانے کا فن، زبانوں کا علم، مچھلی پکڑنے کا فن، بستیوں، گاؤں اور شہروں کی تعمیر کا علم، تمام ہنروں کے اوزار بنانے کا فن، حکومتی اور معاشرتی نظام، لوک گیتوں کی شکل میں شاعری کا علم، تہذیب، تمدن، ثقافت، ڈرامہ اور اسٹیج سجانے کا فن۔ سندھیوں کی قدیم کہانیوں میں "اُڑنے والی کھٹولا" اور "آئینے میں دنیا دیکھنے" کے تصورات دیے گئے، جن کی بنیاد پر ہوائی جہاز، میزائل، چاند گاڑیاں اور کمپیوٹر یا موبائل فون ایجاد ہوئے۔ بیل گاڑی کے پہیے اور چرخی، ہرلنار کی

گراریاں ایجاد ہونے کے بعد ریل گاڑیاں اور ٹرانسپورٹ کا نظام وجود میں آیا۔

آرکیالوجی کے علم کے مطابق پورے ایشیا اور دیگر براعظموں میں موہنجو دڑو کی تہذیب، تمدن اور ثقافت کے آثار ملتے رہے ہیں اور مزید ملنے کے امکانات موجود ہیں۔ قدرتی آفات، طوفانوں، زلزلوں، دریائی سیلابوں، سمندری طغیانی، وبائی بیماریوں اور بیرونی حملے آوروں کی غارت گری، قتل و غارت اور لوٹ مار کی وجہ سے سندھ کے لوگوں نے مختلف سمتوں میں ہجرت کی ہے۔ یہ ہجرت پُرامن اور نئے نئے علاقے تلاش کرنے کے لیے رہی ہے۔

جب سے ذاتی ملکیت کی وجہ سے استحصالی قوتوں اور طبقوں نے جنم لیا، تب سے بھوکی قوموں نے محنت اور جدوجہد کرنے کے بجائے مالدار ملکوں کی سرحدیں توڑ کر بڑے پیمانے پر قتل و غارت کی، قوموں کو لوٹا، قبضے کیا اور غلاموں پر ظالمانہ قوانین مسلط کیے۔

عرب قوم اور انگریز قوم نے سندھ اور سندھیوں کو نیست و نابود کرنے کی شعوری اور وحشیانہ کوششیں کیں، مگر یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے کہ ایسے حادثات کے باوجود سندھی قوم زندہ رہی ہے مستقبل

میں جب بھی آرکیالوجی اور سائنس کے پختے طریقوں سے تاریخ کی چھان بین کی جائے گی تو سندھی قوم ہی دنیا کی قوموں، تہذیبوں اور زبانوں کی ماں ثابت ہوگی۔ رُک سندھی کی اس کتاب میں تحقیق کے بعد بتایا گیا ہے کہ زمین پر مہذب انسانوں کے ابتدائی نشانات سندھ میں ملے ہیں، خاص طور پر موہنجو دڑو کی تہذیب سے۔

عربوں نے سندھیوں کے آثار کو آگ لگا کر جلا دیا اور قتل عام کے ذریعے ان کی معیشت لوٹ لی۔ انگریزوں نے بیراج سسٹم اور ریل کا نظام لا کر سندھ میں غیر سندھیوں کو قابض کیا اور سندھ میں جاگیریں بانٹ کر سندھی دشمن غدار پیدا کیے۔ یہ غدار آج تک حکمران ہیں اور انگریزی سامراجیت، عالمی مالیاتی اداروں اور نیٹو اتحادی ملکوں کے مفادات کی حکمرانی کرتے ہوئے سندھ اور سندھیوں کو برباد کر رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا سارا دارومدارِ معیشت پر ہے۔ آمدنی کے ذرائع کو عوامی مفاد کے لیے برابری اور انصاف کے ساتھ استعمال کرنے سے ہی قومیں خوشحال ہوتی ہیں۔ انسان کی زندہ رہنے، عزت و وقار کے ساتھ جینے

اور خوشحالی کا سارا انحصار معاشی انصاف پر مبنی نظام پر ہے۔

رُک سندھی صاحب نے تاریخ کے اس سفر میں علم کے ذریعے سندھیت کی بحالی کے لیے ایک محاذ قائم کیا ہے۔ وہ مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے لکھتے رہے ہیں۔ ان کی تمام کتابیں اور مضامین سندھیوں کی بحالی اور انسانی وقار کے لیے ہیں۔ رُک صاحب کی اس محنت پر سندھی قوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ رُک سندھی کی تحریروں کی تمام جدوجہد لائقِ تحسین اور قابلِ ستائش ہے۔

اب اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ رُک صاحب کی اس محنت کو سندھی عوام تک پہنچایا جائے۔ ہم ادیب، شاعر، صحافی، کالم نگار، مضمون نویس، ڈرامہ نگار، دانشور اور باشعور لوگ اگر صرف ایک دوسرے کو حاجی، غازی، زوار اور مومن کے لقب دیتے اور خوشامد کرتے رہیں تو اس کا کوئی فائدہ قوم اور انسانیت کو نہیں ہوگا۔ کسی بھی طریقے سے یہ کوششیں اور انقلابی خیالات سیاست اور عوام کے کام آنے چاہئیں۔ سندھ کے لکھاریوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور بہترین لکھا ہے، ان کی تحریروں کو سلام ہے، مگر سندھ کے خیرخواہوں سے رشتے جوڑنے کے لیے

حکومتی مراعات کو ٹھوکر مار کر، نقصان اور خطرات مول لے کر، سندھ دشمنوں کی دشمنی سر پر لے کر بھی سچ بولنا ہوگا، جیسے رُک سندھی نے سچ لکھا۔

وادئ سندھ پر تحقیق کے لیے ادیبوں نے لائقِ ستائش کام کیا ہے، مگر یہ عوام تک نہیں پہنچا اور نہ ہی عوام پر اثر انداز ہوا ہے۔ عوامی سیاستدان سرکاری اور حکومتی ادیبوں سے کتراتے ہیں اور سرکاری نوکری کرنے والے ادیب عوامی سیاستدانوں سے۔ کچھ ادیب اپنے گناہ چھپانے کے لیے دوسرے گناہگار ادیبوں اور دانشوروں کے جرائم کو نہ صرف چھپاتے ہیں بلکہ ان کے مجاور بن جاتے ہیں۔

سندھ کی دھرتی مقدس اور مقدم ہے، سندھی قوم لٹی پھٹی اور غلام ہے۔ سندھ کا عوام طبقاتی طور پر حکمران طبقے کے دباؤ اور استحصال میں ہے۔ ان کی عزت، وقار اور سندھیت کی بحالی ہی سندھ کی آزادی، امن اور خوشحالی کی ضمانت ہے۔ ہمیں گفتار کے غازی کے بجائے کردار کے غازی بن کر جدوجہد کا حصہ بننا چاہیے۔ رُک سندھی صاحب کی محنت کو تسلیم کرنا چاہیے۔ ان کی یہ کتاب "سندھو سبیتا کی اوسر" 175 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں وادئ سندھ کی اوسر کے

سائنسی بنیادوں پر وکالت کی گئی ہے۔ تمام موضوعات پر دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے اور حوالہ جات بھی دیے گئے ہیں۔ انہیں داد دیتے ہوئے ان کی محنت کو سلام پیش کرنا چاہیے۔ مجھے مطالعے کے لیے دو کتابیں عطا کی گئی ہیں، اس پر بھی میں ان کا شکر گزار ہوں۔ رُک سندھی کی کتابوں کو غور و فکر سے پڑھنا اور پڑھانا چاہیے۔ سندھ کے گاؤں، شہروں، بستیوں اور مقامات کے قدیم ناموں سے ہی سندھ کی تہذیب، زبان، ثقافت اور تاریخ کی وضاحت ہوگی۔ سندھی ادبی سنگت جیسے ادبی اور قومی ادارے اور دیگر ثقافتی اداروں کو اس کام کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کرنا چاہیے اور رُک سندھی کی محنت پر غور کرنا چاہیے۔

(نوٹ: یہ مقالہ حیدرآباد قاسم آباد میں بزمِ روح رُحان کی جانب سے یکم ستمبر 2024ء کو رُک سندھی کی کتاب "سندھو سبیتا کی اوسر" کی تقریبِ رونمائی میں پڑھا گیا۔)

رک سندھی کا قلمی سرمایہ

راجا انور چانڈیو

آج بزمِ روح رھاڻ کی جانب سے حیدرآباد کے دل کو لبھانے والے موسم میں ہمارے صحافتی اور ادبی سفر کے نہایت سنجیدہ، معتبر اور بااخلاق شخصیت کے مالک، سینئر صحافی، محقق اور ادیب جناب رک سندھی کی تازہ شائع ہونے والی کتاب *"قومی آزادی کی تحریکیں"* کی رسمِ اجراء منعقد ہو رہی ہے۔ یہ ایک بہترین عمل ہے جس پر بزمِ روح رھاڻ اور بھائی واحد کانڈڑو کو داد دینی چاہیے۔

جناب رک سندھی سے ہمارا کافی عرصے کا قریبی تعلق ہے، لیکن اکثر دوست ان سے واقف نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں سے

تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے دوستوں کے ساتھ یہ تعارف شیئر کرنا ضروری ہے۔ کے رک سندھی 5 اگست 1961ء کو تعلقہ کنڈیارو، ضلع نوشہرو فیروز کے گاؤں حامد اچڑ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام غلام اصغر منگی ہے۔

انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کرنے کے بعد صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ وہ روزنامہ *سندھ سجاگ* کے ایڈیٹر اور روزنامہ *جاگو کراچی* کے ایڈیٹر و پبلشر کے طور پر خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ روزنامہ *عوامی آواز کراچی*، روزنامہ *سچ کراچی*، روزنامہ *سوپ کراچی*، روزنامہ *تعمیر سندھ کراچی* اور روزنامہ *سندھ حیدرآباد* میں نیوز ایڈیٹر اور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر بھی کام کیا۔

وہ مختلف صحافتی تنظیموں سے وابستہ رہے اور سندھ کے حقوق کے لیے متعدد قوم پرست اور ترقی پسند تنظیموں میں فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ گزشتہ 30 سال سے وہ ادب، سیاست اور صحافت سے وابستہ ہیں اور اس دوران متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے کئی شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے سینکڑوں مضامین اور مقالات مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

ان کی نمایاں تصانیف میں شامل ہیں:

1. سندھ تہذیب کی ارتقاء (تحقیقی)
2. سندھ تہذیب کے محققین (تحقیقی)
3. سندھ تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں کا مفروضہ (تحقیقی)
4. قومیں اور قومی تحریکِ آزادی (سیاسی صورتحال)
5. ٹوڑی پھاٹک کا سانحہ (تاریخ اور سیاسی صورتحال)
6. سندھی قوم کا مقدمہ (تاریخ، سیاسی صورتحال)
7. سندھ کی سیاسی صورتحال (تاریخ، سیاسی صورتحال)
8. تاریخ کی لَوٹ (ادب)
9. قاضی فیض محمد (سوانح)
10. سندھ کی قومی تحریک میں سندھیوں کا اتحاد (مضامین و مقالات)
11. آج کا سندھ (مضامین و مقالات)

12. میری یادیں (سوانح)

13. دُکھوں کی دھرتی کی کہانی (مضامین و مقالات)

14. خوشحال دھرتی، دُکھی لوگ (مضامین و مقالات)

15. پاکستان طوفان کے گھیرے میں (بینظیر بھٹو کی کتاب کا سندھی ترجمہ)

16. سندھی زبان رَت رَتولی

17. بابائے سندھ کامریڈ حیدر بخش جتوئی

رک صاحب کو اس علمی کاوش پر دلی مبارکباد پیش کی جاتی ہے اور دعا ہے کہ وہ اپنی مدد آپ کے تحت یہ علمی و تحقیقی جستجو جاری رکھیں۔ البتہ حکومتی ادارے ابھی اس حد تک مضبوط نہیں ہوئے کہ کتابوں کی اشاعت میں غریب مصنفین کی مدد کر سکیں۔
حق ہمیشہ قائم رہے — جئے سندھ۔

(یہ مضمون بزمِ روح رھاڻ حیدرآباد کی جانب سے رک سندھی کی کتاب کی رسمِ اجراء کے موقع پر 31 مارچ 2024ء کو پڑھا گیا)

سندھو تہذیب کے بارے میں رُک سندھی کا کام

قاضی مقصود احمد

سندھو تہذیب پر کیا گیا کام بنیادی طور پر دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم میں آثارِ قدیمہ کی تحقیق شامل ہے، جس کے ذریعے ان کی قدامت، تاریخ اور مختلف علاقوں سے تہذیبی تعلق کو واضح کیا جاتا ہے۔
دوسری قسم اس تحقیق کی خامیوں کو درست کرنے اور تہذیب کے بارے میں پھیلائے گئے غلط رجحانات اور نظریات کی تردید کرنے سے متعلق ہے۔

پہلی قسم کا کام اپنی جگہ نہایت اہمیت رکھتا ہے، جو اس فن کے ماہرین انجام دیتے ہیں۔ وہ اشیاء کی جانچ پرکھ کرتے ہیں، ان کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں اور سائنسی آلات کے ذریعے ان کی عمر کا

تعین کرتے ہیں۔
دوسری قسم کا کام اس لحاظ سے زیادہ اہم ہے کہ ماہرین تحقیق کر کے تہذیب کے بانیوں، اس کے تاریخی پس منظر، اس کے پھیلاؤ اور دوسرے علاقوں کے لوگوں سے اس کے تعلقات کا تعین کرتے ہیں۔

تحقیق میں بعض اوقات محققین کے گروہی اور جانبدارانہ رجحانات بھی کارفرما ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے، سندھو تہذیب کا خاکہ انھی گروہی رجحانات کے تحت کی گئی تحقیقات سے خاصا متاثر ہوا ہے۔ اس ضمن میں ہمیں مختلف رجحانات دیکھنے کو ملتے ہیں، جیسے کہ دانستہ کوشش کے ذریعے سندھو تہذیب کو باہر سے آئے ہوئے لوگوں کی تہذیب قرار دینا، جن کی موجودہ نسل سندھ سے لاتعلق ہو اور خود کو سندھی کہلانے والوں سے الگ سمجھے۔ حالانکہ تاریخ اس کے برعکس شواہد فراہم کرتی ہے۔
مزید یہ کہ سندھ وادی کو "سندھ" کے نام سے ایک جغرافیائی وحدت کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار، تاریخ کی مضبوط روایات کو مسخ کر کے پیش کرنا، اور ہزاروں سال پہلے سندھ چھوڑ جانے کا دعویٰ کرنے والے نسلوں کو سندھو تہذیب کے آثار کے معمار قرار دینا تاکہ سندھ کے لوگوں کو ان کے

تاریخی ورثے کے حق سے محروم کیا جا سکے۔

رُک سندھی، جو 1980ء کی دہائی سے ادب، صحافت اور تاریخ کے شعبے سے وابستہ ہیں، نے اب تک اٹھارہ کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں تاریخ اور تہذیب سے متعلق کتابیں جیسے *آج کا سندھ (ایک مطالعہ)، تاریخ کی لوٹ، سندھو سبیتا کے محققین، سندھو تہذیب کے مقامات، سندھو سبیتا کی اوسر،* اور *سندھو سبیتا (آریائی اور دراوڑی مفروضے)* شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے نام سے ایک یوٹیوب چینل "Ruk Sindhi" پر خاص طور پر سندھو تہذیب، تاریخ اور سندھ کی نسلوں کے بارے میں لیکچر دیتے رہتے ہیں۔

ان لیکچرز میں وہ موضوعات شامل ہوتے ہیں جو سندھو تہذیب اور سندھ کی تاریخ کو بگاڑنے کی کوششوں کا حصہ ہوتے ہیں، اور ان کو ٹھوس دلائل سے رد کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک مجاہدانہ کام ہے، کیونکہ اسے دنیا بھر میں بیٹھے لوگ دیکھتے ہیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو سندھو تہذیب کا چہرہ بگاڑنے والے ہیں، اور کچھ وہ جو اس کے دفاع میں دلائل دیتے ہیں۔ رُک سندھی کی تحقیق سے تاریخ کے نئے پہلوؤں سے

واقفیت حاصل کرنے والے لوگ آسانی سے ان کے دلائل کا جواب دے سکتے ہیں۔

اسی سلسلے میں حال ہی میں ان کے ایک لیکچر میں تمل ناڈو کے وزیرِ اعلیٰ کی جانب سے موہنجو داڑو کی تحریر کو پڑھنے پر دس ہزار ڈالر کے انعام کے پس منظر کو واضح کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ دراوڑ خود کو سندھو تہذیب کا اصل وارث سمجھتے ہیں اور انگریزوں کے پیش کردہ ابتدائی نظریے کے تحت یہ مانا جاتا ہے کہ وہ آریائی حملے کے نتیجے میں سندھ سے ہجرت کر گئے تھے، اس لیے وہ سندھو تہذیب کے ساتھ سندھ کے تعلق کے منکر ہیں۔ اس موضوع پر ان کے متعدد لیکچر موجود ہیں جنہیں دیکھ اور سن کر سندھ کے لوگ اپنے ذہنوں میں پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی غلط فہمیاں دور کر سکتے ہیں۔

یقیناً رُک سندھی سندھ کے ایک عظیم مطالعے رکھنے والے دانشور ہیں اور سندھ کے لوگوں کو اپنے ایسے علماء اور مفکرین پر فخر ہونا چاہیے۔

سندھو تہذیب کی اہمیت اور سندھ کے لوگوں کی اس سے وابستگی کو اجاگر کرنے کے لیے 2020ء سے ہر سال سندھو تہذیب

کا دن منایا جاتا ہے۔ رُک سندھی اس سلسلے میں "سندھو سبیتا جاگرتا سَتھ سندھ" کے ساتھ مکمل طور پر جڑے ہوئے ہیں، جو ہمارے لیے خوش قسمتی ہے۔ اس ضمن میں گزشتہ سال انہیں اور سندھ کی قدیم تحریر پر کام کرنے والے ڈاکٹر منصور تھلہی کو مرکزی تقریب میں "سندھو سبیتا ایوارڈ" سے نوازا گیا۔

اس سال ان کے جامع کام کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یہ چند سطور لکھی گئی ہیں تاکہ سندھی لوگ اپنی شناخت کو سمجھنے کے لیے ان کے کام کی طرف متوجہ ہوں اور تاریخ سے محبت رکھنے والے نوجوان اپنی تاریخی شناخت کی علامت "سندھو تہذیب" کو اپنی تحقیق کا مرکز بنائیں۔

یاد رہے کہ سندھو تہذیب کا دن "سندھو سبیتا جاگرتا سَتھ سندھ" اور "سندھی ادبی سنگت سندھ" کے اعلان کے مطابق ہر سال 22 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ اس دن سوشل میڈیا پر ایک دوسرے کو سندھو سبیتا سے جڑے ہونے کی مبارکباد دی جاتی ہے، کہیں ادبی نشستوں میں سندھو سبیتا پر بات کی جاتی ہے، کہیں کیک کاٹا جاتا ہے اور کچھ لوگ اس دن کی نسبت سے سندھو تہذیب پر مضامین لکھ کر اس کی اہمیت سے آگاہ

کرتے ہیں۔ اس سال بھی 22 مارچ 2025ء کو یہ دن منایا جائے گا، جس میں شرکت کے لیے تمام سندھ دوستوں کو دعوت دی جاتی ہے۔

(مختلف اخبارات میں شائع شدہ، 07 مارچ 2025ء، حیدرآباد، سندھ)

کتاب "سندھو تہذیب کے قدیم مقامات" کا مطالعہ

تحریر: شاہد کلہوڑو

جب بھی ہم اپنی عظیم تہذیب، سندھو وادی کے بارے میں کوئی ذکر سنتے تھے تو وہ بات چیت موہنجو داڑو سے شروع ہو کر موہنجو داڑو پر ہی ختم ہو جاتی تھی۔ ہم سندھو وادی کی تہذیب کے تمام ورثے کو صرف موہنجو داڑو ہی سمجھتے تھے، کیونکہ ہمارا علم نامکمل تھا۔ ہمیں اپنی زبان، سندھی میں ایسی کوئی تفصیلی معلومات فراہم نہیں کی گئی تھیں، جن سے معلوم ہو کہ سندھو وادی کی تہذیب کی واحد نشانی صرف موہنجو داڑو نہیں بلکہ گزشتہ ایک صدی کے دوران اس عظیم تہذیب کے سیکڑوں اور ہزاروں مقامات دریافت ہو چکے ہیں۔

اس حوالے سے ہمارے سینئر مورخ اور محقق رُک سندھی کا بہت بڑا کردار ہے، جنہوں نے سندھو وادی کی تہذیب کے بارے میں تفصیلی معلومات ہمیں اپنی زبان میں فراہم کی ہیں۔ رُک سندھی کے سندھو

وادی کی تہذیب پر مشتمل لیکچرز کی سیریز کو سندھ سمیت دنیا بھر میں بہت پذیرائی ملی ہے۔ خاص طور پر ان کے یوٹیوب چینل پر موجود لیکچرز کو ہزاروں لوگوں نے دیکھا اور سنا ہے۔ ان کے فیس بک پیج پر موجود انڈس سولائزیشن سے متعلق ویڈیوز نے سندھ کی موجودہ نسل کو اس تہذیب سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سندھ کے سینئر ادیب، محقق اور مورخ رُک سندھی کی اب تک 13 سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ حال ہی میں ان کی دو کتابیں "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں کا مفروضہ" اور "سندھو تہذیب کے قدیم مقامات" منظر عام پر آئی ہیں، جنہوں نے سندھ کی تاریخ پر نیا علمی مباحثہ چھیڑ دیا ہے۔ خاص طور پر "سندھو تہذیب: آریاؤں اور دراوڑوں کا مفروضہ" کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی حیدرآباد، کراچی، مٹیاری اور سکرنڈ میں افتتاحی اور تعارفی تقریبات منعقد ہو چکی ہیں، جن میں سندھ کے سینئر ادیبوں اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں نے شرکت کی اور اسے سندھ کی تاریخ میں سندھی زبان میں لکھی جانے والی ایک اہم شمولیت قرار دیا۔

گزشتہ 30 سال سے سندھ کی تاریخ پر تحقیق کرنے والے رُک سندھی کی ایک اور کتاب "سندھو تہذیب کے قدیم مقامات" حال ہی میں شائع ہوئی ہے، جس میں پہلی مرتبہ سندھو تہذیب کے 92 قدیم مقامات کی تفصیلی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یہ سندھی زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، جس میں نہ صرف موجودہ سندھ بلکہ 5000 سال قبل کی سندھو تہذیب کی سرحدوں کے اندر دریافت ہونے والے مقامات کے بارے میں بھی معلومات دی گئی ہیں۔

رُک سندھی کے مطابق، پاکستان اور بھارت میں اب تک سندھو تہذیب کے 2000 سے زیادہ مقامات دریافت ہو چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ مقامات کی کھدائی کی جا چکی ہے جبکہ کچھ کی صرف نشاندہی کی گئی ہے۔ سندھ میں دریافت ہونے والے اہم مقامات میں شامل ہیں: موہنجو داڑو، آمری، کوٹ ڈیجی، چانھوں جو داڑو، ڳاڙھو پڙو، نہٹو، تھرڑی گجو، کوہٹراس بٹھ، پانڌی واہی، علی مراد، ڈرب دیتھڑی، تھیڙ، لکمیر جي ماڙي، ڪائي بٺي، لنڊي بٺي، ليمون جوٽیجو، غازی شاہ، نارو وارو داڑو، ڏنپ بٺي، دیھ ماڙي صابری، ڏیسوئی، الھڏنو، عاملاٹو، عارب جو ٿاٹو، شاھه جو ڪوٽڙو، ٻانڌٽي، چونرو، ڀال، دیجی جي ٽڪري،

گورنڊي، حسن علی، جهڪڙ، جانگهارا، ڪرچاٿ، ڪجور، لکهيو (پير لاکو)، لوهری، ليلان جي ماڙي، لوهم جو داڙو، اورنگی، عثمان جي ٻني، پئي جو ڪوٽڙو، پوکراڻ، ٽنڊو رحيم، تونگ ٻٺهه، احمد شاہ، بچاٽي، ٻانڊڙي، بيبي جي پٽ، چٽي جو ڪنڊ، ڍلاٽي جو ڪوٽ، جيري جو ڪلات، جڏيرن جو داڙو، ڪچو ٻٺهه، ڪنڊر پٽ، ڪانڊي واهي، ڪرهيو پير پانڊاري، ڪرنڊ جي پٽ، ڪوسو داڙو، ڪونج سر، لنڊي ٺوڙهي، لال چتو، ممڙو، مرڪان، مشتاق، ترگاٽي جو ڪنڊ، نڪا، ڦنگ، راجو ديرو، روهيل جو ڪنڊ، سنياسي ٻٺهه، ٺارو ٺڪري، ٺيڙهي بهادر شاه، پير شاه جڙيو، نيل بازار، جهانگري، منو ڏياٽو، ڏامراهو، ڪوٽيشر، وجهڙوٺ، لاکين جو داڙو وغيرہ۔

بلوچستان کے اہم قديم مقامات ميں شامل ہيں: مہر ڳڙهه، ڪڙي گل محمد، دمب سادات، ستکاجندر، نال، رانا گندئی، بالا کوٹ، دشتو، ستکا کوہ، تربت، شاهي تمپ، واهل، بيلا، ڪولي، نندرا، نوکجا شاه، نندوری، ڪناڙ، ميهي، سرخ دنپ، خضدار، انجيرهه، پناٽي دنپ، ڪوٽرا، سياهه دنپ، قلات، گاند دنپ، ڪرتا، ٺوگائو، بابر ڪوٺ، شوجنگل، ڪناڙي، ڪيچي بيگ، کوئٹہ مری، مغل گندائی، پيراٹو گندائی، دبر ڪوٺ وغيرہ۔

خیبر پختونخوا کے قدیم مقامات میں شامل ہیں: بنوں، سری کولا، کُرم شاہ، گوملا، رحمان گڑھی، ہٹالا، جھنگ، شہباز گڑھی وغیرہ۔

موجودہ پنجاب کے قدیم مقامات میں شامل ہیں: ہڑپہ، گنویر والا، ٹرکی، سانده نارو، بہاولپور میں پرانے ہاکڑے دریا کے کنارے واقع 24 مقامات، لوری والا تھر، بہوٹ، کدوالا، ونیوال، جلال پور، لیہ، چک پربان سیات، موسیٰ خیل وغیرہ۔

مشرقی پنجاب، ہریانہ اور راجستھان کے مقامات میں شامل ہیں: کالی بنگن، کوٹ پلان، کُوجلا نیہنو، بارا، عالمگیر پور، نگر، روپر، بیکانیر کے 14 مقامات، دوب، ہریانہ ریاست میں راکی گڑھی وغیرہ۔

سندھی زبان میں اس نوعیت کی تحقیقی کتاب سندھ کی تاریخ پر مستقبل میں تحقیق کرنے والوں اور خاص طور پر تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت کارآمد ہے۔

مصنف نے کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے: "سندھو وادی کی تہذیب آج سے ایک صدی قبل برصغیر پر برطانوی قبضے کے دوران دریافت ہوئی تھی۔ دنیا بھر کے ماہرین اس

پر تحقیق کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں کئی منصوبے تیار ہوئے اور ادارے قائم ہوئے، جنہوں نے کھوج کا کام کیا۔ دنیا کے دوسرے ممالک میں سندھو تہذیب پر جتنی تحقیق ہوئی ہے، افسوس کہ اس خطے میں اتنی تحقیق نہیں ہوئی جہاں یہ عظیم تہذیب وجود رکھتی تھی۔ بھارت کو چھوڑ کر اگر پاکستان پر نظر ڈالیں تو یہاں سندھو تہذیب سے لاتعلقی کا رجحان انتہائی افسوسناک ہے۔ حقیقت میں سندھ کی وادی میں رہنے والے لوگوں نے اپنی تہذیب کی وراثت کا دعویٰ چھوڑ دیا ہے۔ دنیا میں سندھو وادی کی تہذیب پر جو جدید تحقیق ہو رہی ہے، اس سے بھی یہاں کے لوگوں کو ناواقف رکھا گیا ہے۔"

(شائع شدہ: روزنامہ سوپ کراچی، 7 جون 2024ء، روزنامہ ہلال پاکستان کراچی 9 جون 2024ء، روزنامہ سندھ، 6 جون 2024ء)

رک سندھی کا پروفائل

رک سندھی سندھ، پاکستان کے ایک معروف مورخ، مصنف، اور صحافی ہیں۔ 5 اگست 1961 کو حامد اُجن، کنڈیارو، ضلع نوشہروفیروز کے گاؤں میں پیدا ہوئے، انہوں نے سندھ کی تاریخ اور وادی سندھ کی تہذیب کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے سندھ یونیورسٹی جامشورو سے بیچلر کی ڈگریاں حاصل کیں۔

رک سندھی حیدرآباد پریس کلب اور حیدرآباد یونین آف جرنلسٹس کے رکن بھی ہیں۔ انہوں نے سندھ کی تاریخ اور ثقافت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے متعدد کتابیں اور

مضامین تصنیف کیے ہیں۔ اس کا کام اکثر تاریخی داستانوں کو درست کرنے اور خطے کے امیر ورثے کے بارے میں بیداری لانے کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔

ان کی تحقیقی دلچسپی مختلف شعبوں پر محیط ہے، بشمول وادی سندھ کی تہذیب، سندھی لسانیات، اور سندھ کی تاریخ۔ رک سندھی کے کچھ قابل ذکر کام یہ ہیں:

1. "آج جی سندھ": سندھی میں لکھی گئی سندھ کی تاریخ اور سیاست پر ایک کتاب۔

2. "سندھ جی قومی تحریک": سندھی میں بھی موجودہ مسائل اور سندھ کی سیاسی صورتحال پر مضامین۔

3. "توڑھی پھاٹک جو سنیہو": سندھ کی سیاسی صورت حال کا ایک بار پھر سندھی میں جائزہ۔

4. "میری یادیں": رک سندھی کی سوانح عمری، سماجی تاریخ اور ذاتی تجربات پر روشنی ڈالتی ہے۔

5. "Ddutrial Dess ji Kahani": سندھ اور پاکستان کی سیاسی اور سماجی صورتحال پر بحث کرنے والے مضامین۔

6. "سندھ کی تاریخ کا پوسٹ مارٹم": سندھ کی تاریخ اور وادی سندھ کی تہذیب پر توجہ مرکوز کرنے والے مضامین۔

7. "سندھ جی سیاسی سورتھل": سندھ کی سیاسی صورتحال پر ایک کتاب، سندھی میں شائع ہوئی۔

8. "قومنِ قوم تحریک آزادی": سیاست اور سماجی سائنس پر ایک اور کتاب، سندھی میں بھی۔

9. "پاکستان طوفان جی گھری میں": "پاکستان طوفان جی گھری میں" کا سندھی ترجمہ، اصل میں دوسری زبان میں لکھا گیا ہے۔

10. "آریائی مفروضہ": سندھ کی تہذیب، آریائی اور دراوڑی مفروضہ، اور متعلقہ موضوعات کی تلاش۔

11. "سکھی دھرتی": سندھ میں سیلاب اور خطے کی سیاسی صورتحال پر بحث کرنے والی کتاب۔

12. "تاریخ جی لات": سندھی ادب اور سندھ کی تاریخ پر ایک کام۔

رک سندھی کی شراکتیں سندھ کے بھرپور ورثے، لسانی مطالعے، اور سماجی و سیاسی تناظر پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس کی تحقیق اس دلچسپ خطے کے بارے میں ہماری سمجھ کو مزید تقویت بخشتی ہے۔

بے شک! مورخ، مصنف اور صحافی رک سندھی اپنی تحقیق میں سرگرم رہتے ہیں۔ ان کا کام مختلف شعبوں پر پھیلا ہوا ہے، بشمول وادی سندھ کی تہذیب، سندھی لسانیات، اور سندھ کی تاریخ۔ یہاں ان کے کام سے متعلق کچھ حالیہ وسائل ہیں:

1. یوٹیوب چینل: رک سندھی کا ایک یوٹیوب چینل ہے جہاں وہ وادی سندھ کی تہذیب اور سندھ اور جنوبی ایشیا کی تاریخ پر لیکچرز شیئر کرتا ہے۔ آپ زراعت، انسانی

ارتقاء وغیرہ جیسے موضوعات کو دریافت کر سکتے ہیں۔

2. وادیٔ سندھ کی تہذیب پر لیکچر سیریز: رک سندھی کا یوٹیوب چینل تعلیمی ویڈیوز پیش کرتا ہے جو قدیم سندھ کی تہذیب کے دلچسپ پہلوؤں اور تاریخ کے بارے میں ہماری سمجھ پر اس کے اثرات کو بیان کرتا ہے۔

3. حالیہ ویڈیو: اپنی حالیہ ویڈیوز میں سے ایک میں، رک سندھی نے بحث کی ہے کہ کس طرح سندھ میں خواتین نے زراعت کی ایجاد کی۔ ویڈیو سندھ کے بھرپور ثقافتی اور تاریخی تناظر پر روشنیٔ ڈالتی ہے۔

4. آرکائیو شدہ رپورٹس: آپ رک سندھی کے کام سے متعلق آرکائیو شدہ رپورٹس بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ یہ رپورٹس سندھ کے ورثہ، سیاست، معاشرت اور ثقافت جیسے موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔

یاد رکھیں کہ تازہ ترین معلومات کے لیے، اس کے YouTube چینل اور دیگر حالیہ ذرائع کو دریافت کرنا بہتر ہے۔

میری آخری تازہ کاری کے مطابق، رک سندھی ایک فعال محقق اور مصنف کے طور پر جاری ہے۔ سندھ کی تاریخ، لسانیات اور سماجی و سیاسی سیاق و سباق کو تلاش کرنے کے لیے ان کی لگن ثابت قدم ہے۔ تاہم، تازہ ترین معلومات کے لیے، میں تجویز کرتا ہوں کہ حالیہ ذرائع کو چیک کریں یا اگر ممکن ہو تو براہ راست اس سے رابطہ کریں۔